

جامعہ حقانیہ کاترجمان

سہ ماہیہ
سنگوہا

الحقانیہ

مجلد

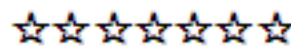
جلد ۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ رجبی ۲۰۰۸ء شمارہ ۵

بانی

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالرشک کوثر مدنی قدس سرہ

فہرست

3	ابن انور رحمہ اللہ کی رحلت..... مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم
6	مفسر قرآن حضرت صوفی عبدالحمید صاحب سواتیؒ
8	درس قرآن کریم..... ..
10	درس حدیث..... شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ
12	ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ..... از قلم حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ
14	اصلاحی مکاتیب..... فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ
16	خشیت الہی کے خواص و آثار..... خلاصہ وعظ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ
21	حیات و خدمات شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ..
29	سرایا..... حضرت مولانا ڈاکٹر محمد سعد صدیقی لاہور
31	مکالمہ بین المذاہب اور اس کا تصور..... خطاب مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہم
34	احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا منہج تحقیقی جائزہ مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی
37	آداب علم حدیث..... مفتی محمد طاہر مسعود صاحب
39	”خاکوں“ کی خاک..... مولانا سید محمد فہیم ترمذی
43	الاستفتاء..... فقیہ العصر مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ
45	تعارف و تبصرہ..... مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم



کلمۃ الحق

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

بسم اللہ تعالیٰ

ایک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی

ابن انور رحمہ اللہ کی رحلت

احقر کل عصر کے بعدواں پچھراں حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے ڈیرہ پر حضرت کے نبیرہ جناب سراج دین صاحب مدظلہم سے محو گفتگو تھا کہ لاہور سے فون پر عزیز محترم مولانا محمد بلال اشرف سلمہ نے یہ روح فرساں خبر سنائی کہ حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری آج دہلی میں انتقال فرما گئے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خبر سنتے ہی طبیعت پر بڑا اثر ہوا، اس اچانک اطلاع سے یقین نہیں آ رہا تھا، اسی کشمکش میں خانقاہ سراجیہ کنڈیاں حاضری ہوئی تو وہاں کے حضرات نے بھی اس کی تصدیق کر دی، اب تو سوائے سر تسلیم خم کوئی چارہ نہ تھا۔

بحر العلوم، امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کی عبقری، مابعد روزگار شخصیت سے کون ایسا شخص ہے جو واقف نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ نے ان کو علم و فضل کے اعتبار سے جو مقام دیا ہے بلا اختلاف ہر ایک اس کے اعتراف پر مجبور ہے، اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایسی مادر روزگار شخصیتیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے معاصرین شیخ الاسلام، محقق العصر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے آپ کے بارہ میں بجا طور پر فرمایا تھا لَمْ تَرَ الْعِیُونَ مِثْلَهُ وَلَمْ یَرِھُمُ مِثْلَ نَفْسِهِ وَلَوْ کَانَ فِی سَالِفِ الزَّمَانِ لَکَانَ لَهُ فِی طَبَقَةِ اَهْلِ الْعِلْمِ شَانٌ عَظِیْمٌ۔

بہر حال حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری اسی عظیم اور بے مثال، باکمال ہستی کے لائق و فائق فرزند گرامی اور خلف الرشید تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے عظیم والد گرامی اور مشائخ کرام و اساتذہ کرام کے علوم و فیوض کا حظ وافر عطا فرمایا تھا۔ اپنی خداداد صلاحیت کی بنیاد پر آپ نے اکابر کے علوم و فیوض کو نہ صرف اپنے اندر جذب فرمایا بلکہ ان کی نشر و اشاعت میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، تحریر و تقریر دونوں میں آپ کو یکساں مہارت اور ملکہ تامہ حاصل تھا۔ حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے بلند پایہ علوم سے استفادہ ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی، لیکن حضرت مولانا مرحوم کا انداز بیان اور طرزِ تحریر اس قدر

شگفتہ اور فصیح و بلیغ ہوتا تھا کہ آپ کا مدعا تقریباً ہر ایک کو آسانی سے سمجھ میں آ جاتا تھا۔

دیوبند کے جس نورانی اور ایمانی ماحول میں آپ نے آنکھ کھولی وہاں ہر طرف علم و عمل، شریعت و طریقت کے بہترین نمونے انہیں دیکھنے کو ملے اور انہوں نے اپنی طبعی ذہانت و فطانت کی بنا پر رفتہ رفتہ ان سے بھرپور استفادہ فرمایا اور وہ صحیح معنی میں عالم اسلام کی ایک عظیم علمی شخصیت کے طور پر متعارف ہوئے۔ اس سب کچھ کے باوجود ابن النور ہونے کی نسبت اور شرافت نے آپ کو مزید درمزیہ رفعت اور بلندی عطا فرمادی۔ آپ نے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا عبدالحق صاحب بانی دارالعلوم عید گاہ کبیر والا، سابق مدرس دارالعلوم دیوبند، حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہم سے اکتساب فیض کے بعد علوم و فنون کے مرکز عظیم، مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے آغوش ہی میں ایک عرصہ دراز تک اپنے علوم و معارف سے حضرات علماء کرام و طلبہ کو مستفید فرمایا، اور زندگی کے آخری ۲۵ سال دارالعلوم (وقف) میں مسند حدیث پر جلوہ فگن ہو کر طالبان حدیث نبوی کو سیراب فرمایا۔ آپ سے مستفید ہونے والوں کی تعداد یقیناً ہزاروں میں ہے اور ان کے ذریعہ سے آپ کے تلامذہ در تلامذہ کا سلسلہ پوری دنیا میں موجود ہے۔ درس و تدریس، وعظ و تبلیغ کی اہم مصروفیات کے علاوہ تصنیف و تالیف اور تحقیقی میدان میں بھی آپ نے گرانقدر خدمات انجام دی ہیں جن سے استفادہ کا سلسلہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ جاری رہے گا۔

آپ اور آپ کے برادر کبیر حضرت مولانا ازہر شاہ قیصر رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ماجد رحمہ اللہ کی علمی یادگار، خلف صدق اور نعم الخلف لنعم السلف کے مصداق تھے۔

احقر مارچ ۱۹۸۰ء میں جب دیوبند حاضر ہوا تو اس وقت حضرت مولانا رحمہ اللہ کی زیارت ضرور ہوئی ہوگی لیکن وہ احقر کو یاد نہیں ہے، پہلی مرتبہ کی زیارت جو اس وقت تک یاد ہے اس وقت ہوئی جب احقر جامعہ اشرفیہ لاہور میں دورہ حدیث شریف کا طالب علم تھا اور یہ ۱۴۰۳ھ کی بات ہے۔ حضرت مولانا مرحوم پاکستان تشریف لائے، جامعہ کے منتظمین نے خوشخبری سنائی کہ کل آپ دورہ حدیث شریف کے طلبہ سے خطاب فرمائیں گے۔ اس خبر فرحت اثر سے بہت ہی خوشی ہوئی اور بے چینی سے اس سعید لمحہ کا انتظار ہونے لگا، بفضلہ تعالیٰ حضرت مقررہ وقت پر دارالحدیث میں تشریف لے آئے اور آپ نے مسلم شریف کا درس دیا، اس طرح ہمیں نہ صرف زیارت بلکہ تلمذ کا شرف بھی حاصل ہوا،

حضرت نے کئی روز تک درس دیا اور طلبہ کو اپنی علمی تحقیقات سے خوب مستفید فرمایا، اس طرح ہمیں حضرت انور سے تو نہیں لیکن ابن انور سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا جس پر تمام طلبہ بے حد خوش تھے۔ اس کے بعد بھی حضرت کئی مرتبہ پاکستان تشریف لائے اور ہمیں جامعہ اشرفیہ اور مجلس صیائہ المسلمین کے بابرکت اجتماع میں ان کے بیان ذی شان سننے کا موقع ملتا رہا۔ ایک مرتبہ بلاک نمبر اسر کوڈھامدرسہ سراج العلوم میں بھی آپ نے بڑا مفصل بیان فرمایا۔ دوسری مرتبہ برادر مکرم جناب حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب زید مجدہم صدر جامعہ اسلامیہ محمودیہ نے پاکستان آنے کی پر خلوص دعوت دی اور ساتھ ہی ساہیوال کا بھی پروگرام بنایا، اسی موقع پر جامعہ خیر المدارس کا سالانہ جلسہ بھی طے ہوا، چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا مرحوم دونوں پاکستان تشریف لائے، تین دن جامعہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں شرکت فرمائی اور وہاں سے دارالعلوم عید گاہ کبیر والا ہوتے ہوئے جامعہ حقانیہ ساہیوال کے عظیم تاریخی جلسہ منعقدہ ۱۷ صفر ۱۴۲۶ھ، ۲۸ مارچ ۲۰۰۵ء میں شرکت فرمائی۔ حضرت مولانا مرحوم نے اس موقع پر جو بیان اور خطاب فرمایا وہ جامعہ کے ماہنامہ مجلہ الحقائق میں بھی شائع کیا گیا، عوام و خواص نے اسے بہت پسند کیا۔ اس موقع پر جامعہ اسلامیہ محمودیہ اور مفتاح العلوم میں بھی آپ نے مفصل خطاب فرمایا اور اہل علم کی درخواست پر آپ نے اپنی خصوصی سند بھی عطا فرمائی۔ افسوس! کہ حضرت مولانا مرحوم سے ہماری یہ آخری ملاقات ہوئی، اس کے بعد بھی اگرچہ آپ پاکستان تشریف لائے لیکن ہماری ملاقات نہ ہو سکی۔

علمی شخصیات اور اصحاب فضل و کمال کی رحلت عظیم سانحہ اور علمی دنیا کا ایک بڑا حادثہ ہے، یذہب الصالحون کا مظاہرہ بڑی تیزی سے دیکھنے میں آ رہا ہے، جو اٹھتا ہے اس کا خلا پر ہوتا نظر نہیں آتا، بعد والوں کیلئے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی قدر کریں اور ان کے مشن کو فروغ دینے کی ہر ممکن سعی سے دریغ نہ کریں واللہ الموفق والمعین۔ حضرت مولانا مرحوم کے انتقال سے یقیناً ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے، حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ امت کو انکے فیوضات و برکات سے محروم نہ فرمائیں اور آپ کی خدمات کو قبول فرمائیں اور درجات عالیہ سے سرفراز فرمائیں، پسماندگان کو ہر جمیل اور اجر جلیل عطا فرمائیں۔ آپ کے فرزند گرامی جناب حضرت مولانا خضر شاہ صاحب زید مجدہم کو اللہ تعالیٰ اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائیں، ان کو اور ان کے ادارہ کو ان کیلئے بہترین صدقہ جاریہ بنائیں، آمین ثم آمین۔

مفسر قرآن کریم حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ تعالیٰ

کچھ عرصہ سے سننے میں آ رہا تھا کہ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی بانی جامعہ نصرۃ العلوم کجرا نوالہ کی صحت زیا دہ خراب ہے اور قومہ کی ہی حالت ہے، اسی وقت سے خیال کیا جا رہا تھا کہ اب صحت مشکل ہے اور یہ چراغ سحر اب بجھنے کو ہے۔ چنانچہ احقر ایک طویل سفر کے بعد مورخہ ۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ، ۶ اپریل ۲۰۰۸ء کو ملتان پہنچا تو کجرا نوالہ سے اطلاع ملی کہ آج صبح آپ انتقال فرما گئے ہیں اور جنازہ رات نو بجے ہوگا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ ترجمان اہل سنت حضرت اقدس شیخ مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم کے بڑے اور صغیر، دارالعلوم دیوبند کے فاضل، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے تلمیذ رشید و مرید خاص اور حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کے توسط سے فلسفہ شاہ ولی اللہ کے مابین بلکہ شارح و ترجمان تھے، اور اس کے ساتھ امام اہل سنت حضرت علامہ مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ سے بھی آپ نے رفرق باطلہ بطور خاص رد و انقض میں بھرپور استفادہ فرمایا تھا۔

فراغت کے بعد آپ کی ساری زندگی علم دین کی خدمت میں گزری، جامعہ نصرۃ العلوم جس کا فیض اس وقت نہ صرف پاکستان بلکہ دوسری دنیا میں بھی ہے آپ کی عظیم علمی یادگار صدقہ جاریہ اور بہترین باقیات صالحات میں سے ہے۔ حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ درس و تدریس، درس قرآن و حدیث میں مہارت کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی ایک خاص ذوق رکھتے تھے۔ تفسیر میں آپ کی بے نظیر تفسیر ”معالم اعراف“ انیس ضخیم جلدوں میں علوم قرآن پر آپ کی وسیع معلومات اور مہارت پر شاہد اور آپ کا زبردست علمی کارنامہ ہے۔ حدیث میں ”درس حدیث“ اور فقہ میں ”نماز مسنون“ بے انتہا مقبول کتابیں ہیں۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار و نظریات پر آپ کی کتاب ”مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار و نظریات“ عرصہ سے شائع ہو چکی ہے۔ حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کا علم بہت پختہ اور قلم بہت شستہ تھا، آپ کی تحریر میں سلاست اور بے ساختگی غالب ہے، گفتگو کا انداز بھی واضح اور غیر مبہم تھا۔ ہتمام کے حوالہ سے طلبہ پر شفقت و عنایت مثالی تھی جس کی وجہ سے طلبہ آپ کے گرویدہ تھے۔ احقر کو اپنے بچپن میں آپ کی جو تصنیف سب سے پہلے پڑھنے کا موقع ملا وہ نماز مسنون خورد تھی، بعد میں یہ کتاب ایک ضخیم اور مدلل صورت میں شائع ہوئی۔ ایسا غوجی پر آپ کی شرح بھی طالب علمی کے زمانہ میں پڑھی، اس سے کافی فائدہ ہوا۔ تحفہ امراہیمیہ

پر آپ کا مقدمہ بڑا ہی معلومات افزا اور تصوف کی اصطلاحات پر مشتمل ہے۔

احقر محرم الحرام ۱۴۰۴ھ میں جب جامعہ نصرۃ العلوم میں حاضر ہوا اس وقت پہلی مرتبہ آپ کی زیارت اور ملاقات کا شرف حاصل ہوا، پھر شعبان المعظم ۱۴۰۵ھ میں دورہ تفسیر کیلئے احقر نصرۃ العلوم میں حاضر ہوا، شعبان المعظم و رمضان المبارک تقریباً دو مہینے وہاں قیام رہا، اس دوران خیال آیا کہ حضرت صوفی صاحب سے حجۃ اللہ البالغہ پڑھ لی جائے، لیکن رمضان المبارک میں آپ کا معمول پڑھانے کا نہ تھا، بعد میں احقر کیلئے بھی پڑھنا مشکل تھا۔ بہر حال درخواست کی تو حضرت نے ازراہ شفقت و عنایت قبول فرمائی اور یوں احقر کو حضرت سے استفادہ کا شرف بھی حاصل ہوا۔ رمضان المبارک ہی میں حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے شاگرد حضرت مولانا چراغ دین صاحب کا انتقال ہوا، احقر بھی جنازہ کیلئے حاضر ہوا، مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب نے جنازہ پڑھایا اور اس میں سورت فاتحہ بھی جہر پڑھی، شاہ صاحب کا یہ طرز عمل سب نے محسوس کیا، حضرت صوفی صاحب نے احقر سے جنازہ کی تفصیل دریافت فرمائی اور یہ معلوم ہونے پر کہ جنازہ میں سورت فاتحہ جہر پڑھی گئی بڑے تعجب کا اظہار فرمایا۔ احقر نے افتاء کا کام اگرچہ حضرت والد گرامی قدس سرہ کی نگرانی میں کسی حد تک سیکھا ہوا تھا اور کبھی کبھی فتویٰ لکھنے کی نوبت بھی آ جاتی تھی لیکن زیادہ تر توجہ تدریس کی طرف تھی، حضرت صوفی صاحب نے اس پر تنبیہ فرمائی کہ تدریس کے ساتھ فتاویٰ لکھنے کی مشق ضرور کرنی چاہئے، اس سے فتویٰ سے مناسبت بھی رہے گی اور لکھنے کا طریقہ بھی آئے گا، اور جب یہ سب کچھ اپنے بڑوں کی سرپرستی میں ہوگا تو اس سے فائدہ بھی ہوگا، اس لئے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر فتویٰ کے کام کو اہمیت دینی چاہئے، پھر جب ایک معتد بہ مقدار میں فتاویٰ لکھے جائیں گے تو اس کام میں آسانی ہوگی اور مناسبت بھی پیدا ہو جائے گی۔ احقر کو حضرت کی اس نصیحت و ہدایت سے بڑا فائدہ ہوا اور حق تعالیٰ نے احقر کو اس کا موقع بھی عنایت فرما دیا واللہ علیٰ ذلک وجزاہم اللہ تعالیٰ خیراً۔ یہ حضرت کی شفقت تھی کہ اپنی بعض کتابیں نام لکھ کر ارسال فرمائیں، ”مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار و نظریات“ ارسال فرمانے پر حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی کا مقالہ جو الفرقان میں شائع ہوا تھا احقر نے اس کی فوٹو کاپی آپ کی خدمت میں ارسال کی تو بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور دعائیں دیں۔ کچھ عرصہ قبل احقر نصرۃ العلوم زیارت کیلئے حاضر ہوا اور اجازت حدیث کی درخواست کی، آپ نے بڑے بلند الفاظ سے حوصلہ افزائی فرمائی اور اجازت حدیث سے مشرف فرمایا۔ حق تعالیٰ درجات بلند فرمائیں اور آپ کے لائق فرزند ان گرامی کو صحیح معنی میں آپ کا جانشین بنائیں، آمین۔ فقط احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ ۲۱ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ ان آیات کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

(۱) خلاصہ یہ ہے کہ منافقین بچہ و جوہ فساد پھیلاتے تھے۔ اول تو خواہشات نفسانیہ میں منہمک تھے اور انقیاد احکام شرعیہ سے کابل اور متنفر تھے۔ دوسرے مسلمانوں اور کافروں دونوں کے پاس آتے جاتے تھے اور اپنی قدر و منزلت بڑھانے کو ہر ایک کی باتیں دوسروں تک پہنچاتے رہتے تھے۔ تیسرے کفار سے نہایت مدارات و مخالطت سے پیش آتے تھے اور امور دین کی مخالفت پر کفار پر اصلاً مزاحمت نہ کرتے تھے اور کفار کے اعتراضات و شبہات کو جو دین کی باتوں پر ہوتے تھے مسلمانوں کے روبرو نقل کرتے تھے تاکہ ضعیف الاعتقاد اور ضعیف الفہم احکام شرعیہ میں متردد ہو جائیں۔ اور جب کوئی ان فسادات سے ان کو منع کرتا تو جواب دیتے تھے کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تمام قوم اور ملک مثل زمانہ سابق شیر و شکر ہو کر رہیں اور دین جدید کی وجہ سے جو مخالفت بڑھ گئی ہے بالکل جاتی رہے، چنانچہ ہر زمانہ میں دنیا طلب ہو پرست ایسا ہی کہا کرتے ہیں۔

(۲) یعنی اصلاح تو حقیقت میں یہ ہے کہ دین حق جملہ ادیان پر غالب ہو اور جملہ اغراض و منافع دنیوی سے احکام شرعیہ کی رعایت زیادہ کی جائے اور دربارہ دین کسی کی موافقت و مخالفت کی پروا نہ ہو۔ ع خاک برداری، اغیار پاش۔ منافقین بحیلہ مصالحت و مصلحت اندیشی جو کچھ کرتے ہیں وہ حقیقت میں فساد محض ہے مگر ان کو اس کا شعور نہیں۔

(۳) یعنی اپنے دلوں میں یہ کہتے تھے یا آپس میں یا ان ضعیفائے مسلمین سے جو کسی وجہ سے ان کے رازدار بن رہے تھے۔

(۴) سہماء کہا سچے مسلمانوں کو کہ احکام خداوندی پر دل سے ایسے فدا تھے کہ لوگوں کی مخالفت اور اس کے نتائج بد سے اور انقلاب زمانہ کی مضرات کو ناکوں سے اپنا بچاؤ نہ کرتے تھے، بخلاف منافقین کے کہ مسلمان و کفار سب سے ظاہر ہمارکھا تھا اور اغراض نفسانی کے سبب آخرت کا کچھ فکر نہ تھا،

مصلحت بنی اس وجہ غالب تھی کہ ایمان و پابندی احکام شرع کی ضرورت نہ سمجھتے تھے، فقط دعویٰ زبانی اور ضروری اعمال مجبوری ادا کر لینے پر قناعت تھی۔

(۵) یعنی بیوقوف حقیقت میں منافقین ہی ہیں کہ مصالح و اغراض دنیوی پا درہوا کی وجہ سے آخرت کا خیال نہ کیا، فانی کو لینا اور باقی کو چھوڑنا کس قدر حماقت ہے اور مخلوقات سے ڈرنا کہ جن سے ہزار طرح اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں اور علام الغیوب سے نہ ڈرنا کہ جہاں کسی طرح کوئی امر پیش ہی نہ جاسکے کتنی جہالت ہے، اور صلح کل کیسے کہ جس میں احکم الحاکمین اور اس کے مقبول بندوں سے مخالفت کی جاتی ہے، مگر منافقین اس وجہ بیوقوف ہیں کہ ایسی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے۔

(۶) شیاطین (یعنی شریر لوگ) مراد ان سے یا تو وہ کفار ہیں جو اپنے کفر کو سب پر ظاہر کرتے تھے یا وہ منافقین مراد ہیں جو ان میں رئیس سمجھے جاتے تھے۔

(۷) یعنی کفر و اعتقاد دین کے معاملہ میں ہم بالکل تمہارے ساتھ ہیں، تم سے کسی حالت میں جدا نہیں ہو سکتے۔

(۸) یعنی ظاہری موافقت جو ہم مسلمانوں سے کرتے ہیں اس سے یہ نہ سمجھنا کہ ہم واقع میں ان کے موافق ہیں، ہم تو ان سے تمسخر کرتے ہیں اور ان کی بیوقوفی سب پر ظاہر کرتے ہیں کہ باوجودیکہ ہمارے افعال ہمارے اقوال کے مخالف ہیں مگر وہ اپنی بیوقوفی سے صرف ہماری زبانی باتوں پر ہم کو مسلمان سمجھ کر ہمارے مال اور اولاد پر ہاتھ نہیں ڈالتے اور مال غنیمت میں ہم کو شریک کر لیتے ہیں اور اپنی اولاد سے ہمارا نکاح کر دیتے ہیں۔ ہم ان کے راز کی باتیں اڑا لاتے ہیں اور وہ اس پر بھی ہمارے فریب کو نہیں سمجھتے۔

(۹) چونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو فرما دیا کہ منافقین کے ساتھ مسلمانوں کا معاملہ کرو، ان کے جان و مال سے ہرگز تعرض نہ کرو، اس سے منافقین اپنی حماقت سے سمجھ گئے کہ ایمان لانے سے جو فائدہ مسلمانوں کو ہوا وہ سب فوائد ہم کو بھی صرف زبانی اظہار اسلام سے حاصل ہو گئے، اس وجہ سے بالکل مطمئن ہو گئے حالانکہ انجام کار یہ امر منافقین کو سخت بلا میں پھنسانے والا ہے، اس کا انجام خراب ہے۔ تو اب انصاف کیجئے کہ حقیقت میں تمسخر مسلمانوں کا ہوا یا منافقین کا۔ اور یا تمسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تمسخر کا بدلہ اور سزا ان کو دے گا۔

درس حدیث

رحمۃ (الندوی) ترجمہ بہجۃ (النفوس)

مؤلف: حضرت امام حافظ ابو محمد عبد اللہ بن ابی جمرہ الازدی الاندلسی رحمہ اللہ

مترجم: شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ

حدیث اِنَّ الدِّينَ يُسْرُ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دین آسان ہے، اور ہرگز کوئی شخص سختی (اور مبالغہ) کے ساتھ دین پر غالب ہونے کا ارادہ نہ کرے گا مگر دین ہی اس کو ہرا دے گا، پس سیدھے چلو، قریب قریب رہو اور خوشخبری حاصل کرو اور صبح و شام کے وقت سے اور کسی قدر رات کے آخری حصہ سے (کام میں) سہارا لو۔

شرح:

دین آسان ہے

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ ”دین آسان ہے“ چند وجوہ کو محتمل ہے اور ہر وجہ کے لحاظ سے حدیث کی شرح اخیر تک مختلف ہوگی، پس ہم ہر وجہ پر الگ کلام کریں گے اور ایک وجہ کے موافق حدیث کی شرح پوری کر کے دوسری وجہ پر کلام کریں گے و علیٰ ہذا القیاس۔ چنانچہ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضور نے جو دین کو آسان فرمایا ہے تو ممکن ہے کہ دین سے ایمان مراد ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسلام مراد ہو، اور ممکن ہے کہ دونوں مراد ہوں۔ ایمان تو تصدیق کا نام ہے (کہ دل سے تو حید و رسالت کو مان لے) اور اسلام انقیاد (اور اطاعت) کا نام ہے (کہ احکام شرعیہ کو بجالائے) اور زیادہ ظاہر یہی ہے کہ دونوں مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (کہ جب تک ایمان دل کے اندر نہ ہو ایمان کا دعویٰ نہ کرو بلکہ اسلام کا اقرار کرو) تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ظاہر (اسلام) کو قبول نہیں فرمایا کیونکہ باطن میں تصدیق نہ تھی۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِيْ الدَّرَكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ کہ منافقوں کا ٹھکانا جہنم کا سب سے نیچا طبقہ ہے تو باوجودیکہ منافقین نے ظاہر میں اطاعت کر لی تھی جس کا نام اسلام ہے مگر ان کے پاس ایمان نہ تھا اس لئے

اسلام نے ان کو کچھ نفع نہ دیا، اسی طرح اس کے عکس کو سمجھ لو (کہ ایمان بھی بدوں اسلام کے مافع نہیں ہوتا) اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اسلام اور ایمان آپس میں لازم و ملزوم ہیں تو دین سے یہاں دونوں ہی مراد ہیں۔ اب اس کی ضرورت ہے کہ ان دونوں کی سہولت کو بیان کیا جائے۔ بس ایمان کے آسان ہونے کیلئے تو جاریہ کی مشہور حدیث کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک باندی سے دریافت فرمایا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں، پھر پوچھا اور میں کون ہوں؟ کہا آپ اللہ کے رسول ہیں، اس پر حضور نے اس کے مالک سے فرمایا اس کو آزاد کر دو یہ مومنہ ہے تو (دیکھو) حضور نے اس کو اتنی بات پر مومنہ قرار دیا کہ اس نے آپ کے رسول ہونے کا اقرار کر لیا اور اللہ تعالیٰ کو جو داور قاهر و حاکم مان لیا تھا کیونکہ اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تھا اور اہل عرب بلندی و رفعت کو اسی طرح ظاہر کیا کرتے ہیں، اور بلندی و رفعت کیلئے قہر و غلبہ لازم ہے (تو آسمان کی طرف اشارہ کر کے اس نے اللہ تعالیٰ کے قاهر و غالب ہونے کا اقرار کیا تھا) اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص مکان میں ہیں جیسا بعض ملحدوں نے سمجھا ہے تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہیں کیونکہ لغت (اور محاورہ) عرب کے موافق حدیث کا کوئی لفظ اس پر دلالت نہیں کرتا۔ اور اسی حدیث کی بنا پر بعض اہل سنت نے فرمایا ہے کہ جو شخص (اللہ تعالیٰ کی) بعض صفات سے ناواقف ہو وہ کافر نہیں، اور یہ بات صحیح اور (بہت) صاف ہے، کیونکہ اگر اس قول کو نہ مانا جائے تو عام مسلمانوں کی تکفیر لازم آئے گی اور صحابہ و سلف صالحین کا اجماع ہے کہ ان کا ایمان صحیح ہے، اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے نَحْنُ اُمَّةٌ اَمِيَّةٌ لَا نَقْرَأُ وَلَا نَكْتُبُ ہم ان پڑھا مت ہیں لکھے پڑھے نہیں ہیں (اور جب آپ کی امت ان پڑھ ہے تو وہ ان علوم کی مکلف نہیں ہو سکتی جو پڑھے لکھوں کو بھی دشواری سے حاصل ہوتے ہیں) اور اس کے تحت میں وہ لوگ داخل نہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو اس کیلئے زیبا نہیں (کیونکہ ان پڑھ ہونے کا یہ اثر تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا علم نہ ہو اور یہ اثر نہیں ہو سکتا کہ ذات باری کی طرف ایسی باتیں منسوب کرنے لگے جو اس کی شایان شان نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت تمام قلوب میں بالخصوص مسلمانوں کے دلوں میں فطرۃً موجود ہے اس لئے جاہل سے جاہل بھی تمام عیوب سے ذات باری کو منزہ سمجھتا ہے) غرض جب ایمان کیلئے اتنی بات کافی ہے (جو حدیث جاریہ میں مذکور ہے) تو بلا شک وہ آسان ہے۔

مرسلہ: محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

جمع و ترتیب: حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ

○ فرمایا کہ مولوی..... صاحب نے ایک دفعہ اپنی ایک حالت باطنی کے متعلق تردید ظاہر کیا، میں نے جواب میں اطمینان دلایا۔ انہوں نے فرمایا جواب تو صحیح ہے مگر تسلی نہیں ہوئی، میں نے کہا مجھ کو مقصود اپنی تسلی ہے آپ کی تسلی مقصود ہی نہیں، طبیب کو اپنی تسلی مقصود ہوتی ہے نہ کہ مریض کی تسلی کہ وہ اس کے اختیار میں نہیں اور نہ ہی مقصود ہے اور نہ اس کی عدم تسلی مضر ہے، اس سے ان کی تسلی ہوگئی۔

○ فرمایا جس زمانہ میں حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ اور حضرت حافظ ضامن صاحب رحمہ اللہ اور مولانا شیخ محمد صاحب رحمہ اللہ یہاں موجود تھے اس وقت کے مشائخ اس مقام کو دوکان معرفت اور ان حضرات کو اقطاب ثلثہ کہتے تھے۔

○ فرمایا اس زمانہ میں تو معاش کیلئے مباشرت اسباب ہی مصلحت ہے کیونکہ ترک اسباب سے تقدس کا شبہ ہو جاتا ہے اور مباشرت اسباب کی صورت میں اس شبہ سے نجات ہے۔

○ فرمایا کرامت کا درجہ بتقریح اکابر مجرد ذکر لسانی سے بھی متاثر ہے، چنانچہ ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا افضل ہے کرامت سے کیونکہ وہ سبب ہے قرب کا اور کرامت قرب کا سبب نہیں بلکہ قرب کا مسبب ہے۔

○ فرمایا غالباً ”اکمال الشیخ“ میں جو یہ لکھا ہے کہ ”ہر وقت کے کچھ حقوق ہیں وہ دوسرے وقت میں ادا نہیں ہو سکتے“ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے وقت میں اس دوسرے وقت کے حقوق ہیں تو سب کو جمع کیسے کرے گا، البتہ بلا اختیاران کے فوت ہو جانے پر زیادہ قلق نہ کرے کیونکہ اس قلق کا منشا یہ ہوگا کہ میں ناقص ہوں، سو یہ کامل ہی کب ہو سکتا ہے ہر حال میں ناقص ہی رہے گا۔ مگر ان حقوق سے مراد وہ حقوق ہیں جن کی تحصیل فرض نہیں ورنہ شرعاً ان کی قضا ہوتی۔

○ فرمایا حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کا غالب طرز یہ تھا کہ طالب بیعت سے انکار نہ کرتے تھے بجز ایک صورت کے کہ وہ پہلے کسی کا مرید ہو، ایسے شخص کو بیعت نہ کرتے تھے، اس کا منشا طریق کا ادب ہے۔ اور اس وسعت میں حکمت یہ فرماتے تھے کہ اس سے دو مسلمانوں میں خاص تعلق ہو جاتا

ہے، قیامت میں ان میں سے جو مرحوم ہوگا وہ غیر مرحوم کو کھینچ لے گا اور عکس کا احتمال نہیں کیونکہ حدیث ہے اَنْ رَحْمَتِي سَبَقَتْ عَلَيَّ غَضَبِي۔ سبحان اللہ۔

○ فرمایا نفس اور شیطان کے گناہ کرانے میں اکثری فرق یہ ہے کہ اگر بار بار ایک ہی گناہ کا تقاضا ہو تو یہ نفس کی جانب سے ہے اور اگر ایک دفعہ ایک گناہ کا تقاضا ہو پھر اس سے رک جانے کے بعد دوسرے کا تو شیطان کی جانب سے ہے، کیونکہ شیطان کو تو مقصود صرف گناہ کرانا ہے چاہے کوئی بھی گناہ ہو اور خود شیطان کو اس میں کوئی حظ نہیں تا کہ کسی معین گناہ پر اصرار ہو، بخلاف نفس کے کہ نفس کو اس میں حظ ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ نفس مہیج ہے شیطان صرف مشورہ دیتا ہے جیسا کہ دعوتہ کم سے پتہ چلتا ہے، اور اس میں بھی اصل داعی نفس ہے کیونکہ شیطان کو بھی اسی نفس ہی نے گمراہ کیا۔

اور فرمایا علاج کلی یہ ہے کہ معاصی میں نفس میں جو تقاضا ہوتا ہے اس تقاضا پر عمل نہ کرے، اصل علاج تو یہ ہے باقی ذکر اس میں معین ہوتا ہے کیونکہ ذکر سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے تو حق تعالیٰ دستگیری فرماتے ہیں، اس دستگیری سے سہولت ہو جاتی ہے، یہ صورت ہوتی ہے اعانت کی۔ لیکن خالی ذکر سے کچھ نہیں ہوتا، پھر اس اصل علاج میں شیخ کی ضرورت ہوتی ہے، پھر شیخ کے معاملہ میں طالب کے ذمہ دو چیزیں ضروری ہیں ایک اتباع (یعنی شیخ کا) دوسری اطلاع (یعنی احوال کی)

○ فرمایا لوگ قصیدہ غوثیہ کا بڑا اہتمام کرتے ہیں حالانکہ یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ بڑے پیر صاحب رحمہ اللہ کا ہے بھی یا نہیں، اس کی عبارت اور مضمون تو کچھ ویسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

○ فرمایا مولانا فیض الحسن صاحب سے کسی نے وہابی، بدعتی کے معنی پوچھے، انہوں نے عجیب ترجمہ فرمایا یعنی وہابی کا ترجمہ تو بے ادب با ایمان اور بدعتی کا با ادب بے ایمان۔ اور فرمایا ایک بار ایسے ہی سوال کے جواب میں کہ کہاں کے وہابی کا معنی پوچھتے ہو، کیونکہ حیدر آباد کے وہابی کے معنی اور ہیں اور ہندوستان کے وہابی کے معنی اور ہیں، علیٰ ہذا القیاس بدعتی۔ وجہ یہ کہ عوام کی اصطلاح میں وہابی کا اصل مفہوم ہے رسوم کا مخالف اور رسوم ہر جگہ کی علیحدہ علیحدہ ہیں، ہر جگہ کی رسوم کا مخالف وہاں کا وہابی ہے۔

○ فرمایا اہل علم میں استغناء کی شان ہونا چاہئے کہ اصل ذلت عرض حاجت میں ہے، پچھنے پرانے کپڑوں میں ذلت نہیں۔ اور استغناء میں نیت دین کے اعزاز کی ہونا چاہئے، اس نیت سے ثواب بھی ہوگا اور دنیا داروں کے پاس ملنے بھی نہ جاویں، گے باقی غریب کے پاس جانے میں ذرا ذلت نہیں۔

فقید العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور رزندی قدس سرہ

اصلاحی مکاتیب

سالکین کے خطوط اور حضرت فقید العصر رحمہ اللہ کے جوابات

حال: نماز مخصوصاً تسبیح نماز میں عجیب عجیب تشابہ پڑ جاتے ہیں جس سے نماز دوبارہ پڑھنی پڑتی ہے۔
ارشاد: جہاں تک ہو سکے سوچ کر جو یاد آ جائے اسی پر بنا کر لیا کریں دوبارہ پڑھنے سے پھر یہی عادت ہو جاتی ہے اور شیطان اسی چکر میں لگائے رکھتا ہے بس جو غالب ظن ہو اس پر عمل کر لیا اور اگر غلبہ نہ ہو سکے تو کم پر عمل کر کے سجدہ ہو کر لیا۔

حال: خیالات کی اتنی بھرمار ہوتی ہے کہ حضرت جی بیان سے باہر ہے۔

ارشاد: ان کا خیال نہ کریں خیالات آتے رہیں پرواہ نہ کریں۔

حال: دل میں خیال آتا ہے زندگی ختم ہونے پر ہے بال سجد ہو گئے بڑے بڑے بزرگوں سے بفضلہ تعالیٰ تعلق رہا مگر اب تک تو کتے کی پونچھ کی طرح ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہی رہی۔

ارشاد: نہیں نہیں، یہ سمجھنا انہی بزرگوں کا فیض ہے۔

حال: حضرت جی یہاں ایک صاحب تبلیغی جماعت کے متعلقین سے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آج کل بعض علماء کو ذکر رسول ﷺ تو ہے مگر فکر رسول ﷺ نہیں وہ اپنا فکر تو کریں مگر دوسروں کا فکر نہیں ایسے لوگ یہودی عالم کی طرح بستی والوں کے ساتھ عذاب الہی میں تباہ ہوں گے ان حالات میں وہ کہنے والے مجھے بہت بڑے معلوم ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ بول چال کو جی نہیں چاہتا اس لئے کہ وہ اپنے تبلیغی چند اصولوں پر ہی اعتقاد رکھتا ہے باقی اس کے نزدیک کچھ نہیں۔

ارشاد: یہ ان کی غلطی ہے نرمی سے سمجھایا جائے۔

حال: یہ کوئی میرے لئے روحانی مرض تو نہیں حضرت جی میں تبلیغی جماعت کو بہت اچھا سمجھتا ہوں کیونکہ ان سے عوام کو کافی فائدہ پہنچا ہے مگر افراط تفریط ان میں بہت ہے۔

ارشاد: علماء کو اپنی فکر کے ساتھ دوسروں کی فکر بھی ہونی چاہئے اور ہے بھی۔ وعظ و نصیحت اور تعلیم و تزکیہ نفس کا کام بھرا اللہ علماء کرتے ہیں اور تبلیغی جماعت بھی یہی کام کرتی ہے البتہ طریقہ جدا جدا ہے

اس میں کوئی حرج نہیں مقصد ایک ہی ہے میری کتاب ”دعوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت“ ادارہ اسلامیات سے لے کر اس کو خوب سمجھ کر پڑھیں اور دوسروں کو بھی اس کی طرف متوجہ کریں۔

حال: نماز میں تصویر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے سامنے ہیں اور ان کے سامنے میں اب قیام کی حالت میں ہوں اب رکوع کی حالت میں ہوں اب سجدہ کر رہا ہوں اور یہ سجدہ میرا اللہ تعالیٰ کے پاؤں پر ہو رہا ہے۔
ارشاد: یہ تصور ٹھیک ہے۔

حال: مگر وساوس پھر بھی درمیان میں کافی آتے رہتے ہیں جس سے اپنے اوپر غصہ بھی آتا ہے اور شرمندگی بھی۔

ارشاد: وساوس کی پرواہ نہ کی جائے یہ شرمندگی بھی تلافی کیلئے کافی ہے۔

حال: جس مکان کو میں نے فروخت کر دیا ہے کرایہ دار اسے خالی نہیں کر رہا یہ ایک پریشانی ہر وقت دل و دماغ پر مسلط رہتی ہے حالانکہ دل کو سمجھاتا ہوں کہ سب حالات جو درپیش ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جواز حد مہربان اور شفیق ہیں مگر پریشانی جوں کی توں رہتی ہے کیا یہ کوئی خلاف شرع یا تفویض کے خلاف ہے اور دعا بھی فرمائیں تاکہ یہ پریشانی دل سے دور ہو۔

ارشاد: یہ طبعی پریشانی پریشانی ہے تفویض کے خلاف نہیں ہے دعا بھی کرتا ہوں۔

حال: ایک صاحب جو کہ ٹیک آدمی ہے نے قرض لیا تھا وعدہ پر ادا نہ کیا اپنی مجبوری کا اظہار کر دیتے ہیں میں نے پڑھا ہے کہ مقروض کو مہلت دینے سے بہت بڑا اجر ہے۔

ارشاد: یقیناً جرم ملتا ہے۔

حال: اور یہ بھی خیال آتا ہے کہ اتنے دیندار ہونے کے وعدہ غلط کیا۔

ارشاد: شاید پہلے جلدی دانگی کی امید ہو پھر عذر پیش آ گیا ہو اس لئے بدگمانی نہ کرنی چاہئے۔

حال: اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔

ارشاد: صبر کرنا چاہئے۔

حال: کیا تو بہ کے بعد بھی بد اعمالیوں کے متعلق سوال ہوگا مغفرت سے مراد بالکل معافی اور گناہوں پر لکیر مارنے سے مراد یہی ہے کہ سوال نہ ہوگا۔

ارشاد: ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

تلخیص: مولوی سید عبدالملک ترمذی

خشیت الہی کے خواص و آثار

خلاصہ و عظیم حکیم الامتہ مجدد الملت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ۝ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝ اِنَّ الَّذِینَ یُخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغِیْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ کَبِیْرٌ ۝ وَاَسْرَوْا قَوْلَکُمْ اَوْ اَجْهَرُوا بِهٖ اِنَّہٗ عَلِیْمٌ اَلْبَاتِ الصَّادِر ۝ لَا یَعْلَمُ مِنْ خَلْقٍ وَهُوَ الْلطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔

(ترجمہ) بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں ان کیلئے مغفرت اور اجر عظیم مقرر ہے، اور تم لوگ خواہ چھپا کر بات کہو یا پکار کر کہو اللہ تعالیٰ کو سب کی خبر ہے کیونکہ وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب واقف ہیں، بھلا کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے اور وہ ہا ریک بین اور پورا باخبر ہے۔

یہ سورہ ملک کی تین آیتیں ہیں، حق تعالیٰ نے ان میں ایک بہت بڑے عمل کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور اسی مضمون کی تائید کیلئے کچھ مضامین بڑھائے ہیں، اور وہ عمل ”خشیت“ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے اور اس کی فضیلت کی حقیقت اس کے اثر میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے اور وہ اثر یہ ہے کہ یہ عمل یعنی خشیت عمل صالح کی کنجی ہے اور عمل صالح دو ہیں طاعات کو اختیار کرنا اور معاصی کو ترک کرنا۔

اور خشیت کے عمل صالح کی کنجی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ طاعت نہ کرنا اور گناہ کرنا اسی وقت ہوتا ہے جب خوف خداوندی غالب نہ ہو، غلبہ خوف کے ہوتے ہوئے کوئی وجہ نہیں کہ آدمی کسی طاعت کو چھوڑ دے یا کوئی گناہ کرے، اور خوف کسی ماکوار کے احتمال سے ہوتا ہے اور وہ ماکوار چیز ایک سزا ہے اور ایک مولیٰ کی ناراضگی، یعنی یا تو یہ خوف ہوتا ہے کہ اگر میں اس عمل کا ارتکاب کروں گا تو مجھ کو سزا ہوگی اور یا یہ ڈر ہوتا ہے کہ میرا آقا مجھ سے ناراض ہو جائے گا، پس اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ خشیت عمل صالح کیلئے کنجی ہے، چنانچہ دنیا کے معاملات میں اس کے نظائر بکثرت موجود ہیں، محکوم جو حاکم کی مخالفت نہیں کرتا، شاگرد جو استاد کی اطاعت کرتا ہے، مرید جو مشائخ سے سرتابی نہیں کرتے ان سب کی وجہ یہی دو چیزیں ہیں، اسی طرح خالق تعالیٰ شانہ میں بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جب کبھی مخالفت ہوگی یا کسی فرض و واجب کا ترک ہوگا اس وقت خدا تعالیٰ کا خوف غالب نہیں ہوگا، افسوس ہے کہ ایک ادنیٰ حاکم جو خدا کے

سامنے کسی درجہ میں بھی نہیں ہے اس کا اتنا خوف اور مالک حقیقی اور احکم الحاکمین کا خوف کچھ نہیں کہ کس دلیری سے اس کی مخالفت کرتے ہو۔

صاحبو! میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کچھ عذاب بھی نہ دیں صرف کھڑا کر کے اتنا پوچھ لیں کہ ارے ظالم! تجھے تو ہمارا اتنا بھی خوف نہیں تھا کہ جتنا اپنے چھوٹوں سے ہوتا ہے تو اس وقت جو ذلت و شرمندگی ہوگی اس کا خوف ہی گناہ سے بچنے کیلئے کافی ہے، کیونکہ ایسے موقع پر آدمی یہ چاہا کرتا ہے کہ بلا سے دوزخ میں چلا جاؤں لیکن یہاں سے مجھ کو خلاصی ہو جائے، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب سب اولین و آخرین قبور سے اٹھائے جائیں گے اور محرمین کو سخت ذلت و پریشانی ہوگی تو آپس میں مشورہ کریں گے کہ یہاں سے خلاصی کی کیا تدبیر کریں، چنانچہ اس پر سب کا اتفاق ہوگا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مقبول بندے ہیں ان کی خدمت میں عرض کریں تا کہ وہ ہماری اس بات میں شفاعت کریں، اب تمام لوگ جمع ہو کر آدم علیہ السلام کی خدمت میں آئیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے آپ شفاعت فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہاں سے خلاصی دیں، وہ فرمائیں گے کہ میرا یہ منصب نہیں ہے اور شجر کے کھانے کا عذر کریں گے، پھر دیگر انبیاء علیہم السلام بھی یہی جواب دیں گے اور اپنے اپنے عذر ذکر کریں گے حتیٰ کہ فخر عالم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں گے اور آپ سب کی شفاعت فرمائیں گے اور یہ شفاعت کبریٰ کہلاتی ہے، اس کے بعد حساب و کتاب شروع ہوگا۔

اس میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ سب مومنین و کافرین جو اس مقام سے خلاصی چاہیں گے اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ اس وقت سب کو یہ گمان ہوگا کہ ہم سب یہاں سے چھوٹ کر بہشت میں چلے جائیں گے اس لئے کہ وہاں حقائق منکشف ہوں گے چنانچہ فرماتے ہیں فسکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید یعنی ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ غفلت اٹھا دیا سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے، اور کفار کو معلوم ہوگا کہ ہمیں عذاب ہوگا پھر چھٹکارا پا کر دوزخ میں جانا کیوں کوارا کیا، اس کی وجہ یہی ہے کہ چونکہ وہاں اولین و آخرین جمع ہوں گے ان سب کے سامنے رسوا ہونے سے بچنا چاہیں گے، طبعی بات ہے کہ آدمی رسوائی سے بچنے کیلئے سزا اور تکلیف برداشت کر لیتا ہے اور عام رسوائی میدان قیامت میں ہوگی دوزخ میں نہیں ہوگی، چنانچہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ دوزخ

میں ہر کافر کو ایک صندوق میں بند کر کے الگ الگ آگ میں دفن کر دیا جائے گا پھر وہاں تاریکی بھی ہوگی کوئی ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکے گا (اعاذ باللہ منہ)

تو صاحبو! اگر قیامت کے متعلق ہمیں یہ اطمینان بھی دلایا جائے کہ تمہیں دوزخ میں نہیں بھیجیں گے لیکن یہ ضرور پوچھتے رہیں گے کہ لائق! تو نے یہ کیا کیا کہ جتنا اپنے چھوٹوں سے ڈرا کرتا تھا ہم سے اتنا بھی نہیں ڈرا؟ تو واللہ یہ بھی مرجانے کا مقام ہے تو ثابت ہوا کہ ہمارے تمام امراض کا سبب یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں خوف نہیں ہے اس لئے میں نے اس آیت کو اختیار کیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّ الْمٰنِیْنَ بِخَشَوْنَ رَبِّهِمْ بِالْغَیْبِ الْیَعْنِیْ جولوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں ان کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

اب یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یخشون کا تعلق لفظ ربہم سے فرمایا ہے یعنی جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور یخشون اللہ نہیں فرمایا یعنی جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں، اس میں تعدیل خوف کی طرف اشارہ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ خوف کے اندر دو خاصیتیں ہیں، ایک یہ کہ خوف گناہوں سے روکتا ہے اور یہ خاصیت اس وقت ہوگی جب خوف درجہ اعتدال میں ہوگا، اور دوسری خاصیت یہ ہے کہ خوف طاعت سے بھی روک دیتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب خوف حد سے زیادہ ہو جائے، چنانچہ دنیا کے معاملات میں ہم اس کی بہت سی مثالیں دیکھتے ہیں کہ جب کسی بات کا زیادہ خوف ہوتا ہے تو کام نہیں ہوتا، جیسے کوئی شخص کوئی مضمون لکھ رہا ہو اور کوئی ایسا شخص اس کو دیکھنے لگے جس کو وہ استعداد میں اپنے سے زیادہ سمجھتا ہو تو ہرگز نہ لکھا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ غلبہ خوف کا دوسرا خاصہ یہ ہے کہ آدمی کام سے جاتا رہتا ہے تو اس کی تعدیل کیلئے بجائے اللہ کے ربہم فرمایا، اور یہ تعدیل اس طرح ہوئی کہ آدمی جو کسی سے ڈرتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں، ایک تو ایسا ڈرتا ہے جیسے چور کو تو ال سے ڈرتا ہے کہ یہاں تو صرف خوف ہی خوف ہے امید کا نشان ہی نہیں اور دوسری قسم یہ ہے کہ جیسے لڑکا اپنے شفیق باپ سے ڈرتا ہے کہ اس میں خوف کے ساتھ باپ کی شفقت پر اعتماد کر کے معافی کی امید ہوتی ہے، پس اگر ربہم نہ فرماتے تو اللہ کے بعض بندے اس کی شان جلال و قہاریت کا ہر وقت خیال رکھنے کی وجہ سے مارے خوف کے جان ہی دے دیتے، اس لئے ربہم اختیار فرمایا کہ جس ذات سے خوف کی فضیلت بیان ہو رہی ہے وہ تمہارا مربی بھی ہے، تم سے بے تعلق نہیں ہے، وہ کوئی شیر یا

بھیڑ یا نہیں ہے، اے میرے مقبول بندو! تم اس قدر خوف کے اندر مت گھلو، جیسے مجھ میں شان جلال و قہاریت ہے اسی طرح شان تربیت بھی تو ہے۔ آگے ارشاد ہے واسرّوا قولکم او اجہروا بہ انہ علیم ہدات الصدور یعنی تم اپنی بات کو آہستہ سے کہو یا پکار کر کہو بے شک اللہ تعالیٰ دل کی بات سے واقفیت رکھتے ہیں۔ یہ مضامین تاکید خشیت کیلئے بڑھائے گئے ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ دنیا میں قیاس المغائب علی الشاہد کا مادہ فاسدہ بہت پھیلا ہوا ہے، یعنی غائب کو حاضر پر قیاس کرتے ہیں، خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں، چنانچہ ایک بڑھیا نے مجھ سے پوچھا کہ مولوی صاحب تمہیں اللہ میاں کے یہاں کی سب خبر ہے یہ تو بتلاؤ کہ اللہ میاں زندہ بھی ہیں، وہ بے وقوف تو یہ سمجھی کہ مدت ہوئی ہے اب تک کیا زندہ ہوں گے، اپنے اوپر قیاس کیا کہ جس طرح ہم مرد و زماں سے فنا ہو جاتے ہیں نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ بھی اب تک کیا زندہ ہوں گے، تو غائب کو حاضر پر قیاس کرنا بڑی گمراہی کا باعث ہے، اس لئے خشیت کی فضیلت معلوم کرنے کے بعد ممکن ہے کہ کسی کو خیال ہو کہ میاں ہم ایسی جگہ جا کر گناہ کریں گے کہ کسی کو خبر ہی نہیں ہوگی، اس کے جواب میں ارشاد ہے کہ تم لوگ خواہ مر کوئی کرد یا زور سے بات کرو ہمیں دلوں تک کی خبر ہے، سبحان اللہ کیا کلام ہے، آگے اس کی دلیل عقلی ہے الا یعلم من خلق کیا وہ ذات نہیں جانتی جس نے پیدا کیا ہے؟ یعنی کیا ہم تمہاری چھپی اور کھلی ہوئی بات سے ناواقف ہیں؟ ہم نے خود ہی تو سب کو پیدا کیا ہے، اس میں خشیت کی بڑی تاکید ہے کہ ہر حال میں ڈرنا چاہئے، آگے ارشاد ہے وهو اللطیف الخیر وہ باریک بین اور پورے باخبر ہیں، یہ جملہ بھی تاکید خشیت کیلئے ہے، اس لئے کہ نہ ڈرنے کی وجہ ہوتی ہیں ایک یہ کہ جس سے ڈرایا جائے وہ دور ہو، دوسری وجہ یہ ہے کہ جس سے ڈرایا جائے اس کو خبر نہ ہو، تو فرمایا یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ دور ہیں بلکہ بہت قریب ہیں لیکن چونکہ لطیف ہیں اس لئے نظر نہیں آتے اور نہ یہ خیال کیا جائے کہ اس کو خبر نہیں ہے بلکہ وہ پورے باخبر ہیں۔

ان آیات سے خوف کی فضیلت اور اس کا دنیوی و اخروی سعادوں کیلئے کنجی ہونا معلوم ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خشیت بہت ہی ضروری چیز ہے، اس لئے میں مختصر طور پر ایک دستور العمل طے کرتا ہوں جس پر عمل کرنے سے خشیت پیدا ہوگی، وہ یہ ہے کہ اپنے روزانہ اوقات میں سے آدھ گھنٹہ یا بیس منٹ نکال کر تنہا بیٹھ کر دو چیزوں کو سوچا کرو، پہلے اپنے برے اعمال یا دیکرو اور خدا تعالیٰ نے ان پر جو سزا مقرر فرمائی ہے اس کو سوچا کرو، اور اس کے بعد اپنے نفس سے کہو کہ اے نفس! تو کیوں ہلاک

ہوتا ہے؟ دیکھ تو سہی ان اعمال کی یہ پاداش تجھ کو بھگتنا پڑے گی اور اس کے بعد اپنے مرنے سے لے کر جنت اور جہنم کے داخل ہونے تک جو جو واقعات پیش آنے والے ہیں مثلاً قبر میں جانا، منکر نکیر کا سوال کرنا، حساب و کتاب، صراط وغیرہ سب واقعات تفصیل کے ساتھ سوچو۔ یہ وظیفہ روزانہ کیا کرو، دیکھئے تو سہی کیا ثمرہ ہوتا ہے، مگر مشکل تو یہ ہے کہ ہم لوگ کچھ کرتے ہی نہیں، بس یہ چاہتے ہیں کہ کوئی ایسی نظر ڈال دے یا دعا کر دے یا تعویذ دے دے کہ آپ سے آپ سب گناہ بھی چھوٹ جائیں اور عمل بھی خود بخود ہونے لگیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم نے کوشش کی تو دعا کا کیا اثر ہوا؟ بات یہ ہے کہ دو قسم کی چیزیں ہیں ایک وہ جو بالکل ہمارے اختیار میں نہیں ہیں اور بندوں سے ان کا مطالبہ بھی نہیں ہے اور دوسرے وہ کہ ان کے اسباب اختیاری ہیں، پہلی قسم میں تو صرف دعا پر عمل کرنا چاہئے جیسے کوئی آفت سماوی، اس کیلئے دعا کرنا کافی ہے اور جن کے اسباب اختیار میں ہیں ان کے اندر تدبیر کرو لیکن چونکہ تدبیر کا مؤثر ہونا اختیار سے خارج ہے اس لئے اس کیلئے دعا کرو اور دعا سے اس تدبیر میں برکت ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائیں، آمین۔

ارشاد شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ

حسن افغانیؒ ایک بزرگ تھے جن کو قرآن پاک کی صرف چند سورتیں یاد تھیں اور کچھ لکھے پڑھتے نہیں تھے، یہ خلیفہ تھے حضرت شیخ بہاؤ الدین ملتانی قدس سرہ کے جو خلیفہ ہیں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کے حسن افغانیؒ امی ہونے کے باوجود قرآن پاک کی آیت اور عربی زبان کے دوسرے کلام میں امتیاز کر لیا کرتے تھے، بیضاوی وغیرہ کی عبارتیں پڑھ کر ان کا امتحان لیا گیا مگر یہ کمال تھا کہ فوراً بتا دیا کرتے تھے کہ یہ کلام اللہ شریف کی آیت ہے، یہ آیت نہیں ہے عربی عبارت ہے۔

اسی طرح شیخ عبدالعزیز دباغ کا واقعہ تھریز میں مذکور ہے کہ امی ہونے کے باوجود آیات قرآنی کے علاوہ احادیث مقدسہ کو بھی کلام عرب سے ممتاز کر دیا کرتے تھے ان سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ کلام الہی کے ساتھ میں ایک نور پاتا ہوں جو فرش سے عرش تک ہوتا ہے۔

مولانا ڈاکٹر عبید اقبال عاصم قاسمی علیگ

جہان و حرمات

شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ

مختصر تعارف مقالہ، ایچ ڈی ۲۰۰۱ء شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ، انڈیا

مولانا ظفر احمد عثمانی علیہ الرحمۃ (۱۳۱۰-۱۳۹۲ھ/۱۸۹۲-۱۹۷۴ء) برصغیر کے ان نامور فضلاء میں تھے جنہوں نے اپنے علمی شہ پاروں سے برصغیر کو ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے علم و ادب کو فیضیاب کیا۔ بیسویں صدی میں ایسے ممتاز علماء دین انگلیوں پر شمار کئے جاسکتے ہیں جن میں مولانا ظفر احمد صاحب کو خصوصی مقام حاصل ہے۔

انہوں نے ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور برما کے تشنگان علوم کو صرف کتابی علم کی تقسیم پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بذات خود ان ممالک میں درس و تدریس کے فرائض انجام دے کر ہزار ہا تلامذہ تیار کئے جن میں سے بیشتر نے نمایاں علمی کارنامے انجام دیئے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی دیوبند کے محلہ دیوان میں پیدا ہوئے جو ان کے جد امجد دیوان لطف اللہ کا بسایا ہوا ہے اور انہیں کے نام سے منسوب ہے۔ ان کے دادا شیخ نہال احمد دیوبند کے اپنے وقت کے مشہور زمیندار اور دارالعلوم دیوبند کی پہلی شوری کے تاسیسی ارکان میں سے ایک اہم ترین رکن تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی بیشتر عمارتیں انہی کی وقف کردہ زمین پر بنی ہوئی ہیں۔ مولانا کے والد شیخ لطیف احمد نے بھی دارالعلوم دیوبند سے کسب فیض کیا تھا، لیکن وہ عصری علوم خصوصاً انگریزی زبان کے حمایتی ہونے کے باعث ترک وطن کر کے آگرہ مشن (Mission) اسکول میں فارسی پڑھانے پر متعین ہو گئے تھے جس کی وجہ سے مولانا ظفر احمد صاحب کا بچپن والدہ کی گود میں گزر رہا اور وہ والد کی تربیت سے محروم رہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ان کے حقیقی ماموں تھے، بھانجے کی تعلیم و تربیت صحیح خطوط پر کرنے کی غرض سے وہ ایام طفلی میں ہی مولانا ظفر احمد صاحب کو اپنے ساتھ تھانہ بھون لے گئے جہاں مولانا کی تعلیم و تربیت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی زیر نگرانی ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں شخصیتوں کے مابین گہرے مراسم قائم ہوئے اور مولانا ظفر احمد عثمانی ”دیوبندی“ کے بجائے ”تھانوی“ مشہور ہوئے۔

ایام طالب علمی کے ابتدائی زمانہ میں ہی یہ محسوس کیا جانے لگا تھا کہ اپنے مخصوص علمی ذوق کے سبب آگے چل کر یہ بچہ علمی دنیا میں نام روشن کرے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

مولانا کی شخصیت علمی شخصیت تھی، لیکن انہیں سیاست میں بھی ایک اہم مقام حاصل رہا۔ مسلم لیگ میں ان کی شرکت کے سبب مسلم لیگ کے وقار میں اضافہ ہوا۔ وہ دوقومی نظریہ کے علم برداروں میں سے تھے، اس کیلئے داعم، درمے، سخنے ہر طرح سے تیار رہے۔ ان کی یہ خدمات تاریخ پاکستان کا اہم باب تصور کی جاتی ہیں، انہیں خدمات کے کسی حد تک اعتراف کے طور پر انہیں تقسیم ملک کے بعد (۱۴ اگست ۱۹۴۷ء) پاکستان کے مشرقی حصہ (موجودہ بنگلہ دیش) کی راجدھانی ڈھاکہ میں سرکاری طور پر رستم پرچم کشائی کا اعزاز حاصل ہوا۔ پاکستان بننے کے بعد وہ اگرچہ سیاسی میدان میں سرگرم عمل نہیں رہے لیکن جب کبھی انہوں نے مذہبی طور پر اپنی ضرورت محسوس کی تو اس میں پیش پیش رہے، چنانچہ پاکستان کو آئینی طور پر اسلامی ملک کا درجہ دینے جانے کی مانگ سے لے کر قادیانیت کو اسلام مخالف فرقہ قرار دینے جانے تک جتنی بھی مذہبی سیاسی تحریکات وجود میں آئیں ان میں مولانا نے اہم کردار ادا کیا۔ وہ عرصہ دراز تک جمعیت علمائے اسلام پاکستان کے صدر رہے جس کی بنا انہوں نے ہی ڈالی تھی۔

علم و فضل کی دنیا میں مولانا کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، انہوں نے ”اعلاء السنن“ کی بیس ضخیم جلدوں کے ذریعہ فقہ وحدیث میں اپنی فنی، علمی مہارت کا ثبوت فراہم کر دیا ہے جس کی نظیر گزشتہ کئی صدیوں میں بہت کم ملتی ہے۔

اگرچہ یہ خدمات فقہ حنفی کو احادیث سے مستحکم و مستدل کرنے پر موقوف ہیں تاہم اس میں مولانا نے جو علمی مباحث اٹھائے ہیں وہ اپنی جگہ گرانقدر راہیت کے حامل ہیں۔ ان کی اس خدمت کا اعتراف عرب و عجم کے مختلف علمی حلقوں کی جانب سے کیا گیا۔ ایک طرف مصر کے مشہور حنفی عالم شیخ زاہد الکواثری نے اسے سراہا تو دوسری جانب شام کے مشہور عالم و محقق شیخ عبدالفتاح ابو غدہ نے اس کی علمیت سے متاثر ہو کر باقاعدہ برصغیر کا سفر کیا اور یہاں کے علماء کرام سے استفادہ کیا اور بالخصوص مولانا کے سامنے زانوائے تلمذ بن گیا، اور پھر اس کے مقدمہ پر مزید حواشی کا اضافہ کرتے ہوئے اسے وقیع علمی تالیف ”قواعد فی علوم الحدیث“ کے نام سے پیش کیا جو حدیث کے فنی موضوعات پر ایک اہم کتاب ہے، بعد میں پاکستان کے مشہور و معروف عالم دین مولانا محمد تقی عثمانی نے اپنی تحقیقات و تعلیقات سے اس کی

علمی شان کو دوبالا کر دیا۔

مولانا کو جہاں فقہ و حدیث پر عبور حاصل تھا وہیں عربی شعر و ادب سے متعلق بھی ان کا ذوق اعلیٰ تھا۔ آپ کا زیادہ تر علمی سرمایہ عربی زبان میں ہی ہے، خصوصاً عربی زبان میں آپ کے نعتیہ قصائد، تقاریر اور مرثیہ وغیرہ کافی تعداد میں ہیں جو اس وقت کے علمی جرائد میں یا مختلف کتابچوں کی صورت میں شائع ہوتے رہے، اور اس کا بھی قوی امکان ہے کہ مولانا کی بہت سی شعری تخلیقات مجلات و رسائل کے صفحات میں دبلی پڑی ہوں گی۔

اس زاویہ سے اس عبقری شخصیت کا مطالعہ کیا جائے تو یہ ہمیں ”ہشت پہلو“ شخصیت دکھائی دے گی، لیکن افسوس اس کا ہے کہ اس جلیل القدر ذات کی علمی، ملی اور سیاسی خدمات کا جس انداز سے اعتراف ہونا چاہئے تھا وہ نہ ہو سکا، اور آج حالت یہ ہے کہ نئی نسل ان کے تعارف اور خدمات کو قابل اعتناء ہی نہیں سمجھتی۔

میں نے جب تحقیقی مقالہ لکھنے کیلئے مولانا اور ان کے دیگر معاصرین علماء کا مطالعہ کیا تو مجھے مولانا کی شخصیت کئی حیثیتوں سے جاذب نظر معلوم ہوئی جس کی وجہ سے میں نے محض اللہ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے مولانا کی حیات و خدمات کا انتخاب کر لیا۔ کیونکہ ہندوستان میں مولانا کی شخصیت پر تحقیقی مقالہ لکھنے کی اولیت کا شرف مجھے حاصل ہو رہا تھا اسی لئے یہ احساس بھی دامن گیر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مواد کی عدم فراہمی کے باعث موضوع سے دست کش ہونا پڑے، لیکن نصرت الہی پر توکل کرتے ہوئے میں نے اس کام کو اپنے لئے چیلنج سمجھتے ہوئے اس کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا، واقعہ اللہ تعالیٰ کی تائید و حمایت ہر قدم پر شامل حال رہی جس کی وجہ سے یہ طالب علمانہ حقیر کاوش پیش کرنے کے لائق بنی، اس عنایت بے بہا پر بارگاہ ایزدی میں سرپا سپاس ہوں۔

یہ مقالہ پانچ ابواب کی متعدد فصلوں پر مشتمل ہے۔

پہلا باب جسے ”مقدمۃ الکتاب“ بھی کہا جاسکتا ہے اس میں عرب و ہند کے تعلقات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان و ادب کی ہندوستان میں جب بھی بات کی جائے گی تو لازماً ان حالات و مشاہدات کا مطالعہ کرنا ہوگا جن کے تناظر میں اس قدیم غیر ملکی زبان کو اپنے رشتے استوار کرنے کے مواقع ملے۔

اس لحاظ سے ہم نے پہلے باب میں چھ فصلیں قائم کیں۔ پہلی فصل میں (ما قبل اسلام) عرب قوموں کے ہندوستانیوں سے تعلقات اور باہمی تجارتی رشتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، ہندوستان کے قدیم قبائل زط، تکا کرہ، میدو وغیرہ اسلام کی آمد سے سینکڑوں سال پہلے سے عرب ملکوں میں آباد تھے، عرب کے باشندے تجارتی اسباب کی خرید و فروخت کے سلسلے میں ہندوستان آتے جاتے تھے، اسی وجہ سے اس زبان سے باشندگان ہند زمانہ قدیم سے متعارف تھے۔

دوسری فصل مابعد اسلام عرب و ہند کے تعلقات پر مشتمل ہے۔ اس میں ان تاریخی احوال کو پیش کیا گیا ہے جب نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں صحابہ کرام نے دیگر اقوام پر اپنے اثرات مرتب کئے۔ حیات نبوی کے آخری عہد اور خلفائے راشدین کے ابتدائی زمانوں میں مختلف تجارتی و فوہ ہندوستان حسب معمول آئے، یہاں کے تجارتی بھی عرب گئے۔ مسلمانوں کے معاملات، اخلاق اور حسن معاشرت نے یہاں کے تاجروں پر مثبت اثرات ڈالے جس کی وجہ سے اسلام کے ہندوستان میں آنے کے دروازے کھلے۔ اس کے علاوہ عربی زبان میں قرآن کریم کے نزول اور خود اس کی تلاوت کے باعث ثواب ہونے کی وجہ سے باشندگان ہند نے عربی زبان و ادب پر خصوصی توجہ مرکوز کی۔

تیسری فصل ’عربی زبان و ادب اور ہندوستان‘ میں پہلی صدی ہجری سے ہندوستانیوں کی عربی زبان و ادب کے تئیں دلچسپی، ان کی عربی علوم و فنون میں مہارت اور ہندوستان کے عہد بہ عہد مشہور و معروف شعراء کا نہایت مختصر تعارف کرایا گیا ہے، اور جہاں کہیں ضرورت محسوس کی گئی ان کا نمونہ کلام بھی پیش کر دیا گیا ہے تاکہ شعرائے ہند کی کی جانے والی عربی شاعری کا عہد بہ عہد اندازہ ہو سکے۔ یہ فصل لوہی عہد تک کے معروف ادباء و شعراء کے اجمالی تذکروں پر مشتمل ہے۔

چوتھی فصل کی ابتداء ’مغل حکمران اور عربی زبان و ادب‘ سے ہوتی ہے۔ اس فصل میں مغلیہ سلطنت کے حکمرانوں کی عربی زبان و ادب اور علوم و فنون کے تئیں دلچسپی، اس کے نتیجہ میں ہندوستان میں ان علوم و فنون کی بے پناہ مقبولیت و شہرت اور اس عہد کے عربی زبان و ادب سے متعلق کچھ اہم ہندوستانیوں اور ان کی کوششوں اور کاوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

پانچویں فصل حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ (۱۱۲۴-۱۱۷۶ھ) اور ان کے خاندان کی

اس قرآنی زبان سے خصوصی دلچسپی اور اس کی ترویج و اشاعت میں خاندان ولی اللہی اور درس گاہ ولی اللہی کے تلامذہ کی مسلسل کی جانے والی کوششوں کا مختصر ترین تعارف ہے، جو تقریباً ۱۸۵۷ء کی انقلابی کوشش پر آ کر ختم ہوتی ہے۔

چھٹی فصل ”دینی مدارس کی نشاۃ ثانیہ اور عربی زبان و ادب“ میں ۱۸۵۷ء میں ماکام خونی انقلاب کے بعد مسلمانوں کو پیدا شدہ معاشی، معاشرتی و مذہبی مشکلات اور ان کے نتائج میں قائم شدہ دینی مدارس اور ان مدارس کے ذریعہ عربی زبان و ادب سے خصوصی تعلق کا تذکرہ ہے، یہی وہ سبب ہے کہ ماضی قریب میں ان مدارس سے عربی زبان و ادب کے مشہور ادباء و شعراء نے جنم لیا جس کی ایک واضح مثال مولانا ظفر احمد عثمانی بھی ہیں۔ اس طریقہ پر پہلا باب چھ فصلوں پر تقسیم ہے۔

دوسرے باب کا تعلق مولانا کے حالات زندگی سے ہے۔ اس باب کی پہلی فصل میں مولانا کے آبائی وطن دیوبند کے سلسلہ میں کچھ تاریخی معلومات فراہم کی گئی ہیں، نیز مولانا کے خاندان کے کچھ مشہور افراد کا مجمل تذکرہ تعارف بھی ہے۔

دوسری فصل میں ”پیدائش اور تعلیم و تربیت“ موضوع بحث ہے۔ اس میں مولانا کی پیدائش، بچپن، تھانہ بھون منتظلی، تعلیم و تربیت، مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے خصوصی تعلق کا تذکرہ ہے۔ اس باب کی تیسری فصل مولانا کی مدرسی مصروفیات سے متعلق ہے، جس میں مولانا کے مختلف مدارس و جامعات میں درس و تدریس اور ان سے فیض یافتگان نمایاں شاگردوں کا ذکر ہے۔ اس میں مولانا کی علمی قابلیت اور تدریسی صلاحیتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

چوتھی فصل ان کی عائلی زندگی پر مشتمل ہے، جس میں ان کی شادی، اولاد وغیرہ کا مختصر سرسری تذکرہ ہے۔ اس باب کو ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے کیونکہ ان کے تفصیلی حالات جاننے کیلئے ”تذکرۃ الظفر“ دستیاب ہے۔ ہماری زیادہ تر کوشش یہ رہی ہے کہ مولانا کی حیات سے متعلق ان کوششوں پر زیادہ روشنی ڈالی جائے جو ان کی عملی زندگی سے متعلق ہیں، اسی وجہ سے ہم نے مولانا کی سیاسی زندگی کو باقاعدہ باب کی شکل دی ہے۔

تیسرے باب کی پہلی فصل میں مولانا کی سیاسی زندگی کے پس منظر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس فصل میں سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کو جن حالات کا شکار ہونا پڑا اور اس

کے نتیجے میں جن مختلف سیاسی جماعتوں کا وجود عمل میں آیا اور پھر ان جماعتوں نے مسلمانوں پر جو اثرات مرتب کئے ان کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے تاکہ ایک علمی شخصیت کے اچانک سیاسی میدان میں کود جانے کی وجوہات کا پتہ لگ سکے۔

دوسری فصل ’مولانا ظفر احمد صاحب کی سیاسی خدمات‘ کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس فصل میں مولانا ظفر احمد صاحب کی ان کوششوں اور کاموں کو اجاگر کیا گیا ہے جو انہوں نے مسلم لیگ کے تین انجام دیں جن کے نتیجے میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا، سلہٹ ریفرنڈم اور لیاقت کاظمی الیکشن کے موقع پر مولانا نے جو جدوجہد کی اس کو بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔

تیسری فصل میں مولانا ظفر احمد عثمانی اور ان کے ہم خیال دیگر علمائے کرام کی قیام پاکستان کے سلسلے میں کی گئی مخلصانہ کوششوں نیز ان کے اس مطالبہ سے اختلاف رکھنے والے علمائے کرام کی اخلاص کے ساتھ کی گئی مخالفانہ مساعی کا اقدانہ جائزہ لیتے ہوئے خصوصی طور پر مولانا کی مثالی کوششوں کا بے لاگ تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

چوتھی فصل میں مولانا کی ان کوششوں کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے جو انہوں نے پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد موقع بہ موقع انجام دیں۔ قیام پاکستان کے بعد مولانا اگرچہ یکسوئی کی زندگی اختیار کر کے اپنے دیرینہ علمی و ادبی ذوق کی آبیاری کرتے ہوئے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے تھے لیکن جب کبھی بھی انہوں نے مخالف طبقہ کی طرف سے کی جانے والی لاندہی یا بغاوت کو محسوس کیا تو وہ اس کی مخالفت میں سدرہ بن گئے۔ اس سلسلہ میں مولانا کی خدمات کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

چوتھے باب میں مولانا کی علمی و ادبی خدمات کی وضاحت کی گئی ہے جو تین فصلوں میں منقسم ہے۔ پہلی فصل میں مولانا کے مطبوعات اردو مضامین کا جائزہ لیا گیا ہے جو بحث و مباحثہ پر مشتمل ہیں۔ ان میں سودا، اسلام میں نظام جاگیر داری، شاہ ولی اللہ دہلوی کی حکمت، ہندو پاک میں رہنے والے شوہر بیوی کے درمیان طلاق وغیرہ کے مسائل وہ مضامین ہیں جو اپنے دور میں علماء کرام کے درمیان موضوع بحث بنے رہے۔ چونکہ نئے زمانہ کے ساتھ ان موضوعات کے تین نئے مسائل جنم لے رہے تھے اس لئے ان مسائل سے متعلق علماء نے اپنی اپنی فکر کے مطابق آراء پیش کیں جنہوں نے بحث و مباحثہ کی شکل اختیار کر لی جن کے نتیجے میں بہت سے علمی نکات منظر عام پر آئے۔ مولانا نے ایک عالم دین

ہونے کے ماٹے شرعی حدود اور شرعی تقاضوں کے مد نظر یہ مضامین لکھے۔ اس فصل میں انہیں مضامین کا جائزہ لیا گیا ہے۔

اس باب کی دوسری فصل مولانا کی اردو تصنیفات و تالیفات اور تراجم سے متعلق ہے۔ مولانا نے جب عوامی رہنمائی کی خاطر کسی کتاب کی تصنیف، تالیف یا کسی مفید عربی کتاب کے ترجمہ کی ضرورت محسوس کی تو اسے شبانہ روز کی محنت و کاوش سے عوام کے سامنے پیش کر دیا۔ اس فصل میں انہیں مطبوعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

تیسری فصل مولانا کی عربی تصنیفات و تالیفات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس فصل میں مولانا کی عربی مطبوعات خصوصاً فقہ حنفی کی معتبر ترین ذخیرہ احادیث پر مشتمل ان کی مشہور و معروف تالیف ”اعلام السنن“ کا قدرے تفصیلی تعارف ہے، کیونکہ بیرون ہند بالخصوص علمائے عرب کے علمی حلقوں کے درمیان مولانا کے تعارف کا ذریعہ یہی کتاب بنی، جس نے انہیں عالمی شہرت و مقبولیت عطا کی۔ علاوہ ازیں تفسیر، فتاویٰ اور دیگر موضوعات پر مشتمل ان کی دوسری عربی مطبوعات کا بھی تعارف کرایا گیا ہے۔

پانچویں باب میں مولانا کی عربی شاعری پر بحث کی گئی ہے۔ فی الحقیقت یہی باب اس تحقیقی مطالعہ کا مقصد ہے۔ یہ باب پانچ فصلوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلی فصل نعت نبوی پر مشتمل ہے۔ مولانا نے حضور اکرم ﷺ کی محبت سے سرشار ہو کر زبان رسول مقبول ﷺ (عربی) میں نعتیہ قصائد کا نذرانہ عقیدت پیش کیا جو ”نور علی نور“ اور ”وسیلۃ النظر“ کے عنوان سے منظر عام پر آچکے ہیں۔ اول الذکر میں دو قصائد ہیں جبکہ مؤخر الذکر ایک طویل قصیدہ ہے، جن کا اس فصل میں جائزہ لیا گیا ہے۔ نیز مولانا کے فنی محاسن اور قصائد میں مذکورہ قرآنی تمبیحات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسری فصل مدحیہ قصائد پر مشتمل ہے۔ ان قصائد میں مختلف شخصیات کی خصوصیات کو منظوم کیا گیا ہے۔ ان میں سے جو قصائد ہمیں دستیاب ہو سکے ان کو ضروری تذکروں کے ساتھ اس فصل میں شامل کر دیا گیا ہے۔

تیسری فصل میں وہ مراثی پیش کئے گئے ہیں جن میں مولانا نے اپنے اعزہ، احباب اور پیرومرشد کی وفات پر مختلف اوقات میں اپنے رنج و غم کا اظہار کرنے کی خاطر نظم کئے ہیں۔ یہ مراثی بھی

مولانا کی شاعری کا مرتبہ متعین کرنے میں کلیدی حیثیت کے حامل ہیں۔

چوتھی فصل میں وہ تقاریر ہیں جو مولانا نے اپنے متعلقین کی کتابوں کی تعریف و توصیف میں نظم کی ہیں۔

پانچویں فصل میں مولانا کی شاعرانہ خوبیوں کی تحلیل و تجزیہ ہے۔ اصلاً یہ ان کی شاعری کے محاسن و معائب کا ایک طالب علمانہ تنقیدی مطالعہ ہے جسے اس مقالہ کا ترمیم بھی کہا جاسکتا ہے۔

بہر حال ہم نے اس مقالہ میں مولانا کی علمی خدمات کو ضمیمہ اور ادبی خدمات کو موضوعاً زیادہ اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے جو اس سے قبل ہماری معلومات کے مطابق نہیں کی گئی تھی۔ اس کوشش میں ہم کہاں تک کامیاب رہے اور کہاں تک ناکام؟ اس کا فیصلہ تو قارئین ہی کریں گے۔

ہمیں اس مقالہ کی تیاری میں جن مشکلات سے گزرنا پڑا ان کا تذکرہ بالکلیہ فضول معلوم ہوتا ہے، لیکن سب سے بڑا وقت طلب مسئلہ یہ رہا کہ مولانا سے متعلق علی گڑھ میں مواد دستیاب نہیں ہوا جس کی وجہ سے ہمیں دہلی، دیوبند، سہارنپور، کاندھلہ، تھانہ بھون وغیرہ کے مختلف اداروں اور متفرق ذاتی کتب خانوں میں ورق گردانی کرنی پڑی۔ بسا اوقات یہ بھی ہوا کہ کئی کئی دن کی محنت کے بعد بھی مطلوبہ چیز نہیں مل سکی، تاہم مختلف علمی حلقوں اور علم دوست حضرات کی رہنمائی سے یہ مقالہ تکمیل تک پہنچا جو بہر طور شکریہ کے مستحق ہیں اور جن کیلئے صمیم قلب سے دعاؤں کی سوغات کے علاوہ کچھ بھی پیش نہیں کیا جاسکتا۔

آخر میں ہم اس حقیقت کا اعتراف لازمی تصور کرتے ہیں کہ پیش نظر مقالہ خالصہ طالب علمانہ کوشش ہے، علم و تحقیق کی رو سے اس میں بہت سی خامیاں اور کوتاہیاں نظر آئیں گی، اس لئے ناظرین سے درخواست ہے کہ وہ اسے اسی نظریہ سے دیکھیں اور جو نقائص نظر آئیں ان کی نشان دہی فرماتے ہوئے حوصلہ افزائی فرمائیں۔

ع۔ گ۔ قبول افتدز ہے عز و شرف

عبید اقبال عاصم

ریسرچ سکالر، شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد سعد صدیقی لاہور

سرایا رسول اکرم ﷺ

نمبر شمار	نام سر	تاریخ سن	مقام	مدت قلم	تعداد جلدیں	ایڈیٹر
۱	سیف البحر	۱۵ رمضان ۱۰۱۸ھ	سیف البحر (مسند کا کنارہ)	ایوگنیل ۳۰۰ سرائی	۳۰	حضرت خزو
۲	رائع	شوال ۱۰	رائع	تکریمہ یا ایوگنیل مع ۲۰۰ سرائی	۸۰ یا ۶۰	عبید بن الفارث
۳	ضرار	ذیقعدہ ۱۰	ضرار (جمعہ)		۲۰	سعد بن ابی وقاص
۴	مطلعہ	رجب ۲ھ	مطلعہ	ابو امیہ کا قلم	۱۱	عبداللہ بن جحش
۵	عمیر بن عدی	۱۵ رمضان ۱۰		عصما میہود	۱	عمیر بن عدی
۶	قزو	۱۵ جمادی الاخر ۳ھ	قزو (شاہراہ عراق)	ایوگنیل	۱۰۰	زید بن حارثہ
۷	ابن سلمہ ہریہ قطن	یکم ۳۰ھ	قطن	ظفر و سلمہ	۱۵۰	ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد
۸	عبداللہ بن انص	۵ محرم ۳۰ھ	طائف الخلیل	سلیمان بنی	۱	عبداللہ بن انص
۹	عمر بن امیہ	۱۵ شعبان ۲ھ	بصرہ منہ کے قریب	۲ بولکاپ	۲	عمر بن امیہ
۱۰	محمد بن مسلمہ	۱۰ محرم ۶ھ	نجہ		۳۰	محمد بن مسلمہ نصاری
۱۱	رجع	صفر ۶ھ	رجع چشمہ	عقل و قزو ۱۰۰۰ سرائی	۶	عاصم بن ثابت و مرقد الغوی
۱۲	فر	۱۵ شعبان ۶ھ	فر		۳۰	حکاش بن یحییٰ
۱۳	ذی القصد	۱۵ شعبان ۶ھ	ذی القصد	ابو ثعلبہ ۱۰۰ سرائی	۳۰	محمد بن مسلمہ
۱۴	بحوم	// //	بحوم	ابو سلیم		زید بن حارثہ
۱۵	حمص	۱۵ جمادی الاول ۶ھ	حمص	قلم قریش	۱۴۰	// //
۱۶	طرف	۱۵ جمادی الثانی ۶ھ	طرف	ابو ثعلبہ	۱۵	// //
۱۷	حسی	// //	حسی	عبید بن زری ۱۰۰ سرائی	۵۰۰	// //
۱۸	دوی القرئی	رجب ۶ھ	دوی القرئی	سکنا کے دوی القرئی	۱۵	// //
۱۹	دومہ لکھدل	شعبان ۶ھ	دومہ لکھدل	قیلہ مایح بنی کعب	۴۰۰	عبدالرحمن بن عوف
۲۰	فوک	// //	فوک	سعد بن بکر	۱۰۰	حضرت علی
۲۱	ام قرفہ	۱۵ رمضان ۶ھ		ام قرفہ و قوم		ابوبکر صدیق
۲۲	اپنی رائے	۳۰ ۱۵ ۵ھ	ابو الحقیق یہودی کے قتل کیلئے	ابو الحقیق	۵	عبداللہ بن جحش
۲۳	عبداللہ بن رباح	شوال ۶ھ		اسیر بن رباح ۳۰ سرائی	۳	عبداللہ بن رباح

۲۳	عکلم دہرینہ	// //	مضافات دہرینہ	افراد عکلم دہرینہ	۲۰	کرز بن جابر فہری
۲۵	عمر بن الخطاب	شعبان ۷ھ	خرپہ	ہوازن	۳۰	عمر بن الخطاب، ابو بکر صدیق
۲۶	ابی بکر صدیق	// //	نجد	ابو کعب		ابو بکر صدیق
۲۷	مہمہ	رمضان ۷ھ		اہل مہمہ		غالب بن عبداللہ المہمی
۲۸	خرپہ	// //		اہل خرپہ		اسامہ بن زید
۲۹	ہنومرو	شوال ۷ھ	فدک	//	۳۰	بشر بن سعد انصاری
۳۰	اثرم	ذی الحجہ ۷ھ		بنی سلیم	۵۰	اثرم بن ابی العوجاء
۳۱	کدیبہ	صفر ۸ھ	کدیبہ	ابو مہرج	۶۰	غالب بن عبداللہ المہمی
۳۲	بنی عامر	ربیع الاول ۸ھ	سبی	ابو عامر	۲۳	شجاع بن وہب
۳۳	ذات الحج	// //	شام و دیو کی تقری کے قریب	ابو قتضامہ	۱۵	کعب بن عمیر
۳۴	مہمہ	جمادی الاول ۸ھ	مہمہ (بکات)	۱۰۰۰۰۰	۳۰۰۰	زید بن حارثہ
۳۵	ذات اسلاسل	جمادی الثانی ۸ھ	ذات اسلاسل	ابو قتضامہ	۵۰۰/۳۳۰	عمر بن العاص
۳۶	سیف البحر	رجب ۸ھ	سیف البحر (مسند کاکتارہ)	قریش	۳۰۰	ابو عبیدہ بن الجراح
۳۷	مارب	شعبان ۸ھ	خنزرو	ابو طلحہ	۱۵	ابو قحافہ و انصاری
۳۸	خالد	رمضان ۸ھ	ابو کنانہ میں عزی کی پرت شکنی	ابو کنانہ	۱	خالد بن ولید
۳۹	عمر بن العاص	// //	ابو ہریرہ میں سوان کی پرت شکنی	ابو ہریرہ	۱	عمر بن العاص
۴۰	قہمپہ	شوال ۸ھ		ابو خزیمہ	۳۵۰	خالد بن ولید
۴۱	بنی قہیم	محرم ۹ھ	حما	ابو قہیم	۵۰	مہینہ بن حصن
۴۲	عبداللہ بن عمر	صفر ۹ھ		ابو عمر و بن حارثہ	۲۰	عبداللہ بن ابی وجیمہ
۴۳	بنی کعب	ربیع الاول ۹ھ		ابو کعب		ضحاک بن سہیل
۴۴	عبداللہ بن حذافہ	// //	ساحل جدہ	جشمی بحری ڈاکو	۳۰۰	عبداللہ بن حذافہ
۴۵	ابو عیسیٰ	ربیع الثانی ۹ھ		ابو عیسیٰ	۱۵۰	حضر علی
۴۶	عاقب بن مجر	// //	جہلم	جہلم کے قبائل	۲۰۰	عاقب بن مجر
۴۷	مجران	ربیع الثانی جمادی الاولیٰ ۹ھ	مجران			خالد بن ولید
۴۸	بکین	رمضان ۱۰ھ	بکین		۳۰۰	حضر علی
۴۹	اسامہ بن زید	۶ صفر ۱۱ھ	ہبی	روی قبائل		اسامہ بن زید

ضبط و ترتیب: حافظ محمد نعمان حامد

مکالمہ بین المذاہب اور اس کا تصور (قسط ۳)

مفتاح حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری دامت برکاتہم

بتاریخ ۸ دسمبر ۲۰۰۷ء..... بمقام آواری ٹاورز، کراچی

مکالمہ بین المذاہب کا مطلب

میں کہتا ہوں کہ ایک تو پیش نظر رہے کہ یہ مذاہب کے درمیان ڈائیلاگ نہیں ہے بلکہ مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان ڈائیلاگ ہے، یہ مکالمہ بین المذاہب نہیں بلکہ بین اہل المذاہب ہے۔ اب میں اس تفصیل میں نہیں جاتا کہ مذاہب میں مکالمے کا کیا مطلب ہے؟ یا بین اہل المذاہب مکالمے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ماشاء اللہ سارے اہل علم ہیں، جانتے ہیں، مختصراً یہ کہ مذاہب کے درمیان مکالمے کی بات یہ ہوگی کہ ہم مذہبوں کو اکٹھا کر لیں، اور مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ ہم پُر امن بقائے باہمی ”جیواور جینے دو“ کے فارمولے پر آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ جس طرح ایک محلے میں، ایک ملک کے لوگ، ایک گاؤں کے لوگ، ایک خاندان کے لوگوں کا کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے، کوئی خطرہ سامنے آ جائے، جھگڑا ہو یا خطرہ ہو تو بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں، جھگڑے کو ختم کرنے، خطرے سے بچنے کیلئے، اس کا مقصد پُر امن بقائے باہمی ”جیواور جینے دو“ ہوتا ہے۔ یہ مطلب ہے مکالمہ بین المذاہب کا اور اس معنی کے اعتبار سے یہ آج کی ضرورت ہے، کس طرح ضرورت ہے؟

مکالمہ بین المذاہب کی ایک مثال

ماروے کے شہر اوسلو میں آج سے کئی سال پہلے ہمارا ایک وفد گیا ہوا تھا اور وفد کے دورے کا بنیادی مقصد مدارس کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنا تھا، اتفاق سے اس وقت پاکستان سے دو بپ (پادری) بھی اوسلو گئے ہوئے تھے، ایک دفتر میں ان سے اتفاقیہ ملاقات ہو گئی۔ تعارف کے بعد گفتگو شروع ہو گئی، ملاقات اور گفتگو کا پہلے سے نہ تو کوئی پروگرام تھا اور نہ ہی کوئی طے شدہ ایجنڈا، دنیا کے حالات اور پاکستان پر بات ہوتی رہی، دوران گفتگو یہ بات بھی ہوئی کہ ہمارے جو تنازعات ہیں یا مسائل ہیں ان کو گفت و شنید سے حل کرنا چاہئے، سڑکوں پر وہ مسائل حل ہونے والے نہیں، نہ

کرنے چاہئیں۔ مثال کے طور پر ہم نے ان کے سامنے یہ بات رکھی کہ پاکستان میں جو ”انسداد توہین رسالت“ کا قانون ہے اس قانون کے خلاف آپ جلسے اور جلوس کرتے ہیں، قراردادیں اور ریزولیشن پاس کرتے ہیں کہ یہ جو قانون ہے اس کو ختم کرنا چاہئے۔ حضور علیہ السلام کی گستاخی پر مزائے موت کا قانون ہے، اس پر آپ کی طرف سے احتجاج اور اس کو ختم کرنے کی آوازیں، صدائیں اور قراردادیں منظور ہوتی ہیں، ہم آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کو اس پر کیا اشکال ہوتا ہے، آپ کہتے ہیں کہ پاکستان میں یہ قانون اقلیتوں کو دبانے کیلئے بنایا گیا ہے، ہمیں اتفاق نہیں، یہ قانون آپ کو دبانے، آپ کو اذیت دینے، آپ کو تکلیف دینے، آپ پر جارحیت کیلئے نہیں ہے بلکہ یہ تکلیف سے بچنے کیلئے ہے، یہ تکلیف دینے کیلئے نہیں بلکہ تکلیف سے بچنے کیلئے ہے۔ اور دوسری بات یہ بھی کہ یہ قانون صرف نبی کریم ﷺ کی گستاخی پر مزائے موت کا نہیں ہے بلکہ یہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک لاکھ تین سو ہزار نو سو ننانوے نبی اور پیغمبر جو آئے ہیں ہر ایک نبی اور پیغمبر کی عزت کو ہم اپنا ایمان سمجھتے ہیں، کسی ایک نبی کی بھی اگر توہین ہو تو ہم اس کی توہین کو اتنا ہی جرم سمجھتے ہیں جتنا کہ حضور علیہ السلام کی، تو جس طرح گستاخ رسول ﷺ کی سزا قتل ہے، موت ہے، پھانسی ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو گستاخی کرے گا اس کیلئے بھی یہی سزا ہے۔ اور تیسرا میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ توہین کی، انسٹ کی اجازت دیں گے، کیا دنیا کا کوئی مہذب معاشرہ، قانون اور آئین کسی کی توہین کرنے کی اجازت دیتا ہے؟ عام انسان کی انسٹ کی اجازت نہیں دیتا چہ جائیکہ جو ایمان اور عقیدت کا مرکز ہو، اس کی توہین کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے۔ اور ایسے قوانین دنیا کے اور ملکوں میں بھی ہیں حالانکہ وہ سیکولر ملک کہلاتے ہیں، یورپ کے بعض ملکوں میں بھی ہیں، برطانیہ میں بھی ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین پر ایک شخص کو مزائے موت سنائی گئی ہے، اس لئے کیا آپ کہتے ہیں کہ توہین کا دروازہ کھلا رہے۔ اور یہ فرق بھی ہونا چاہئے کہ توہین اور جیز ہے اور اظہار رائے کی آزادی اور جیز ہے، فریڈم آف پیتچ، آزادی اظہار رائے اور تحریک کی آزادی اور جیز ہے اور کسی کی توہین کرنا اور جیز ہے۔ اور آپ بتائیے کہ اگر پاکستان میں توہین رسالت کا قانون بالکل ختم ہو جائے اور کوئی شخص حضور علیہ السلام کی توہین کرے تو کیا وہ زندہ رہے گا، قانون نہ بھی ہو تو کیا مسلمان یہ برداشت کریں گے؟ وہ تو فوراً خود یہ فیصلہ کریں گے۔ اور یہ قانون تو وہ ہے کہ جو غیر مسلموں کو تحفظ دیتا ہے، کہ اگر کسی پر یہ الزام لگا ہے یا اس کے الفاظ کا یہ مطلب نہیں نکلتا تو

وعدالت جائے گا، کورٹ جائے گا، بحث ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ ہو، جرم نہ ہو تو قانون اس کو بری کر دے گا، اگر اس قانون کو ہٹا دیں گے تو اور زیادہ نقصان ہوگا، قانون رہنے سے تو فائدہ ہے اور یہ تو بین کاراستہ روکنے کیلئے ہے، اور کیا آپ اس بات پر راضی ہوں گے کہ تو بین کی اجازت دے دی جائے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ بڑی بحث و منجھیس کے بعد انہوں نے اس بات سے اتفاق کیا کہ ہمیں اس قانون پر کوئی اعتراض نہیں، قانون کے غلط استعمال پر ہمارا اشکال ہے کہ ہوتی ذاتی دشمنی ہے، کاروباری دشمنی ہے وہ جناب اس پر 295/C لگا دیتا ہے کہ اس نے حضور علیہ السلام کی تو بین کی ہے۔ ہم نے انہیں یہ بھی بتایا کہ اس قانون کی زد میں آنے والوں کے خلاف مقدمات کا آپ پاکستان میں سروے کریں تو غیر مسلموں کے خلاف کم ہوں گے اور اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والوں کے خلاف زیادہ ہوں گے، اس لئے صرف یہ آپ کے خلاف نہیں ہے بلکہ جو بھی تو بین کرے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم تو اس کے خلاف ہے۔

انہوں نے کہا کہ اس کا استعمال غلط ہو رہا ہے، ہم نے کہا آپ اس بات کو مانیں کہ قانون صحیح ہے، جہاں تک غلط استعمال کا تعلق ہے تو ہم اس پر بات چیت کرتے ہیں، کسی بھی قانون کا غلط استعمال اس قانون کو غلط نہیں بنا دیتا۔ ہمارے ملک میں دفعہ 302 قتل کا قانون ہے، کیا یہ غلط استعمال نہیں ہوتا؟ کیا اس کی وجہ سے دفعہ 302 کا قانون ختم کر دیا گیا ہے۔ ہم نے تحفظ حقوق نسواں پر بھی مہم چلائی تھی اور کہا تھا کہ یہ قرآن کے خلاف، سنت کے خلاف، عورتوں کے حقوق کے خلاف ہے، جو قانون آپ لا رہے ہیں یہ عقل کے بھی خلاف ہے، اور صرف یہ کہتے ہوئے اس کو غلط قرار دینا کہ پولیس والے کہتے ہیں کہ بتاؤ ہم اس کا پرچہ زنا بالجبر میں درج کریں یا زنا بالرضا میں، حدود میں لکھیں یا تعزیر میں تو ہم نے کہا کہ پولیس کے غلط استعمال سے قانون کیسے غلط ہو گیا۔ کتنے قانون ہیں کہ پولیس غلط استعمال کرتی ہے، قانون کے غلط استعمال کو روکا جائے قانون کو ختم کرنا یہ کوئی دانشمندی نہیں۔ لہذا آپ اس قانون کو صحیح مانیں البتہ اگر اس کا کہیں غلط استعمال ہے تو اس پر بیٹھ کر بات ہو سکتی ہے، ہم بھی اتفاق کریں گے کہ کسی بھی بے گناہ شخص کے اوپر ایسا الزام لگ جائے تو اس کو مرزا نہیں ملنی چاہئے تو اس طرح کے ایڈوز میں اور تنازعات میں بین المذاہب ہم آہنگی کا یہ مطلب ہے کہ جو تنازعات یا خطرات ہیں ان کو بیٹھ کر گفت و شنید سے حل کیا جائے اور اس کا نام ہے ”پرامن بقائے باہمی“، ”جیو اور جینے“ یہ ہے اس کا مقصد، اس کا مقصد مذاہب کے درمیان اتحاد و ہمت کرنا، نیا مذاہب تیار کرنا، مذاہبوں کے حق ہونے کے سرٹیفکیٹ دینا، اتحاد مذاہب کی بات کرنا یہ بالکل نہیں ہے، جو یہ مطلب لیتا ہے وہ غلط ہے۔ (جاری)

مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی

احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا منہج

تحقیقی جائزہ (قسط ۵)

احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا پس منظر و منہج

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سیدنا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جو مسائل و احکام بیان فرمائے ہیں وہ قرآن و سنت کے مطابق اور انہی سے ماخوذ و مستنبط ہیں جبکہ اجماع امت اور قیاس کی حجیت بھی اپنی جگہ مسلم ہے، فقہ حنفی میں کتب ظاہر الروایۃ اور مفتی بہ مسائل بھی کتاب و سنت اجماع امت اور قیاس صحیح سے ماخوذ ہیں لیکن ایک طبقہ جو فقہ حنفی سے بلاوجہ مخالفت رکھتا ہے اس کا پروپیگنڈا یہی ہے کہ فقہ حنفی کے مسائل قرآن و سنت کے خلاف ہیں اس پروپیگنڈا سے عوام تو عوام خواص بھی اچھے خاصے متاثر ہو کر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ شاید یہ حقیقت ہے جبکہ یہ محض افتراء اور سراسر جھوٹ ہے، فقہاء احناف نے بہت سی کتابوں میں ان مسائل کے دلائل بھی بیان فرمادیئے ہیں اس کے باوجود غیر مقلدین نے عوام میں یہی تاثر دیا کہ احناف کے مسائل محض عقلی اور قیاسی ہیں قرآن و سنت کے دلائل سے خالی ہیں۔

وقت کے مجدد اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے فقہ حنفی کے مسائل کو حدیث سے ثابت کرنے کیلئے اپنے خواہر زادہ حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو حکم فرمایا انہوں نے بیس سال کی محنت شاقہ سے ”اعلاء السنن“ کے نام سے زبردست کتاب اس موضوع پر بیس ضخیم جلدوں میں تیار فرما کر اس امت پر احسان عظیم فرمایا، کتاب الطہارت سے لے کر کتاب الفرائض تک تمام ابواب کی مؤید احادیث کو مع عظیم الشان شرح کے آپ نے اس کتاب میں جمع فرمادیا، یہ نہایت عظیم کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک فقہ حنفی کے مسائل کی تائید کرتا رہے گا۔

مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ احکام القرآن کی دوسری منزل کی تکمیل کیلئے میں نے مفتی صاحب سے کہا، واقعہ کچھ یوں ہوا کہ میں حسب معمول جامعہ حقانیہ ساہیوال سرکودھا پہنچا،

میں نے کہلا بھیجا کہ مٹھائی منگواؤ، حضرت مفتی صاحب یہ خلاف معمول بات سن کر چونکے کہ یہ کس وجہ سے منگوائی جا رہی ہے، بالآخر بیان شروع ہوا پہلے میں نے اپنے والد صاحب کی تیسری و چوتھی منزل کی تکمیل کی روایت دسنائی، پھر کہا کہ: اب دوسرے مرحلہ کیلئے والد صاحب کی صحت اس قابل نہیں کہ ان سے اس کی تکمیل کی درخواست کروں، میں چاہتا ہوں کہ مفتی صاحب شروع کریں، مفتی صاحب نے کہا کہ مجھ میں اس کی اہلیت نہیں، تو میں نے عرض کیا کہ یہ سوچنا کہ آج مولانا ظفر احمد عثمانی واپس آ کر اس کو مکمل کریں یہ ممکن نہیں، یا حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی لوٹ کر بیعت و ارشاد کا سلسلہ شروع کریں تو یہ بھی ممکن نہیں بلکہ جن کوان حضرات نے اجازت عطا فرمائی ہے وہ شروع کریں، اسی طرح احکام القرآن کی تکمیل کیلئے وہ بعد والے لوگ ہمت کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی رہنمائی فرمائیں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے والذین جاهدوا فینا لنہدینہم سبلنا۔

یہ کہہ کر میں نے مفتی صاحب کو کہا کہ آپ لکھنا شروع کریں، میں نے یہ کہہ کر کاغذ و قلم حضرت مفتی صاحب کو دیا کہ آپ شروع کریں، حضرت مفتی صاحب کی روتے ہوئے ہچکیاں بندھ گئیں، آپ نے بسم اللہ لکھی تو میں نے کاغذ لے لیا اور کہا کہ بس اب شروع ہو گیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی اور احکام القرآن مکمل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے بہت بڑا کام لے لیا۔

مولانا مشرف علی تھانوی مزید فرماتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی کے علوم سے حضرت مفتی صاحب کا کوئی مقابلہ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کی قلم سے وہ کچھ لکھوا دیا جسے مخمل میں ڈاٹ کا پیوند نہیں کہا جاسکتا کیونکہ حضرت مفتی صاحب کی تحریر سے حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی کے علوم کی عکاسی ہو رہی ہے۔

یہ گویا ایک الہامی اور نگوینی طور پر ایسے ہونا تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو اعلیٰ درجہ کا تفقہ عطا فرمایا تھا جس کے ذریعے احکام القرآن کی تکمیل بھی عمل میں آئی۔

حضرت مفتی عبدالقدوس صاحب فرماتے ہیں حضرت والد صاحب قدس سرہ کو اس بات سے بہت ہی خوشی تھی کہ حضرت تھانوی کی خواہش کے مطابق یہ تفسیر مکمل ہوئی اور اس میں انہیں بھی شرکت کی سعادت عطا ہو گئی، اکثر فرماتے کہ ”علامہ عثمانی میرے شیخ اور حضرت کاندھلوی میرے استاذ محترم ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بزرگوں کے علمی کام میں شرکت کی سعادت عطا فرمائی ہے یہ

حضرات اصغر کوا کا بر سے ملانے والے ہیں، اللہ کرے کہ آخرت میں بھی ان کے ساتھ الحاق ہو جائے۔
حضرت والد صاحب نے کمزوری بیماری شدید ضعف اور کثرت مشاغل کبرنی کے عالم میں
دن رات محنت فرما کر یہ تفسیر لکھی، یہ حق تعالیٰ کی خاص توفیق اور کرم تھا ورنہ اس عمر میں ایسے علمی تحقیقی کام
کا کرنا آسان نہ تھا۔

حضرت محقق العصر مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم فرماتے ہیں کہ جس ضعف اور جن امراض کے
ساتھ انھوں نے ایسی محققانہ کتاب لکھی وہ ان کی کرامت سے کم نہیں۔

حضرت تھانوی نے احکام القرآن کی تالیف کیلئے جب علامہ عثمانی کے علاوہ دیگر احباب
کو بھی اس میں شامل کرنا چاہا تھا تو ان حضرات میں ایک امام مفتی عبدالکریم گمٹھلوی کا بھی تھا مگر انہوں
نے اپنے دیگر مشاغل اور اسباب کے جمع نہ ہوسکنے کی وجہ سے اس سے معذرت کر دی تھی لیکن حق تعالیٰ
کو منظور تھا کہ اس عظیم کام میں ان کی شمولیت ہو، حضرت تھانوی کی بھی یہی خواہش تھی جس کو اللہ تعالیٰ
نے اس طرح پورا کیا کہ حضرت والد صاحب سے اتنے بڑے کارنامہ کا تیسرا حصہ مکمل کرادیا اس طرح
حضرت تھانوی کی خواہش پوری ہوئی اور ”پدر نہ کند پسر تمام کند“ کا مقولہ بھی صادق ہو گیا۔

تکملہ احکام القرآن جب لکھا گیا تو اس کی خوشی میں آپ نے جامعہ حقانیہ ساہیوال سرکودھا
میں جلسہ منعقد کیا جس میں دیگر علماء کرام کے علاوہ تھانہ بھون انڈیا سے مولانا نجم الحسن صاحب نے
بھی شرکت کی اس وقت آپ کی مسرت اور خوشی دیدنی تھی، آپ بار بار فرماتے کہ ”تھانہ بھون سے
اس میں مولانا کی شرکت سے مجھے بہت خوشی ہے“ آپ نے اپنے ایک مفصل مضمون میں احکام القرآن
کا مفصل تعارف کراتے ہوئے اسے تھانہ بھون کا ایک عظیم کارنامہ قرار دیا ہے، آپ کا یہ مضمون احکام
القرآن کے علمی تعارف کے حوالہ سے بہت جامع اور عمدہ ہے ”ماہنامہ الصیانتہ“ لاہور نے ۱۹۹۳ میں
اسے کئی قسطوں میں شائع کیا تھا۔

حضرت مفتی صاحب نے تکملہ احکام القرآن میں بعض مقامات پر اہمیت کے پیش نظر ایک
ایک عنوان پر مستقل رسائل بھی تحریر فرمادیئے ہیں، مثلاً مسأهل لغير الله به اور آیت قرآنی و کنت
عماہم شہید امسا دممت فیہم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب کی تفسیر میں آپ نے
پورا ایک رسالہ لکھ دیا ہے، اسی طرح اور بھی بعض مقامات پر کافی تفصیلی کلام فرمایا ہے۔

مرسلہ مولانا محبوب احمد سرگودھا

آداب علم حدیث

از حضرت مولانا مفتی محمد طاہر مسعود صاحب مدظلہم مہتمم جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا

- (۱) خلاص نیت۔ (۲) پابندی درس، پابندی وقت۔ (۳) صف بندی مکمل ہو، حصول برکت میں اس کا بڑا دخل ہے۔ (۴) سبق میں سونے سے پرہیز کرے۔ (۵) غیر حاضری نہ کرے۔
- (۶) کتاب پر ٹیک نہ لگائی جائے۔ (۷) حدیث پڑھتے ہوئے اس انداز سے نہ ہنسنے جس سے درس حدیث کی بے ادبی معلوم ہو۔ (۸) کسی امام پر تنقید نہ کی جائے، دل میں کسی امام، محدث کے بارے میں نکدر نہ آئے اور نہ زبان سے ایسی کوئی بات کرے۔ (۹) اساتذہ کا ادب کرے۔ استاد کا ادب ایک عجیب چیز ہے، حصول علم اور فیض منتقل ہونے کیلئے استاد کا ادب ضروری ہے، خاص کر حدیث کے اساتذہ کا ادب بہت ہی ضروری ہے۔ ادب کہتے ہیں کہ استاد کی عظمت دل میں موجود ہو اور اس کی عدم موجودگی میں بھی کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے استاد کو تکلیف ہو، اساتذہ کی عیب جوئی سے مکمل پرہیز کرے۔ جو شخص اپنے اساتذہ کا احترام نہیں کرتا وہ اپنے شاگردوں سے احترام کی توقع نہ رکھے۔
- (۱۰) کتاب کا ادب کرے۔ کتاب کے ادب میں یہ بھی داخل ہے کہ کتب رکھنے میں ترتیب کا لحاظ رکھے اور بلا ضرورت کتاب کھلی نہ رکھے۔ (۱۱) آلات علم کا ادب، یعنی استاد اور کتاب کے علاوہ دیگر ذرائع علم مثلاً درس گاہ، تپائی، قلم اور کاغذ کا ادب بھی ضروری ہے۔ (۱۲) درود پاک کثرت سے پڑھے۔
- (۱۳) با وضو رہنا۔ اکثر اوقات با وضو رہنے کی کوشش کرے۔ (۱۴) مجلس حدیث میں آنے سے قبل خوشبو استعمال کرے۔ (۱۵) مجلس حدیث میں صاف لباس پہن کر آئے، ہو سکے تو سفید لباس استعمال کرے۔ (۱۶) درس میں اونچی آواز سے نہ بولے۔ (۱۷) مناسب تعظیمی القاب ذکر کرے، مثلاً جب باری تعالیٰ کے اسماء میں سے کوئی نام آئے تو جل جلالہ، اور آپ علیہ السلام کے اسماء میں سے کوئی اسم مبارک لیا جائے یا آپ ﷺ کی طرف منسوب کوئی لفظ ذکر کیا جائے تو درود پاک پڑھے، کسی صحابی کا نام آئے رضی اللہ عنہ اور صحابیہ کے نام آنے پر رضی اللہ عنہا اور تابعین یا دیگر ائمہ محدثین میں سے کسی کا نام آئے تو رحمہ اللہ کہے۔ (۱۸) اپنی ساری توانائی اور محنت حدیث پاک پر خرچ کرے، لیکن صرف

محنت پر بھروسہ نہ کرے بلکہ دعا کا بھی اہتمام کرے، اپنے اساتذہ اور بڑوں سے بھی دعا کرائے۔
 (۱۹) مبادی علوم پڑھنے کے بعد حدیث شروع کرے۔ (۲۰) حدیث پڑھنے کے ساتھ ساتھ عمل کی بھی نیت رکھے اور یہی علم ہے جو قابل عمل ہے۔ (۲۱) احادیث پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کو یاد کرنے کا بھی التزام کرے، کم از کم چالیس احادیث یاد کرے۔ (۲۲) حدیث پڑھنے والا شکر کا، سے حسن معاملہ رکھے۔
 (۲۳) زیارت نبوی ﷺ کے حصول کی کوشش کرے یعنی معاصی سے بچتے ہوئے اعمال صالحہ اختیار کرے اور درود پاک کی کثرت کرے۔ (۲۴) حدیث پڑھنے کے ساتھ تدریس کا ارادہ رکھے۔
 (۲۵) تبلیغ کا جذبہ اور نیت دل میں رکھے۔ (۲۶) تعلیم میں یا تبلیغ میں عاریا تکبر نہ کرے، علم تکبر اور شرم سے نہ آتا ہے نہ پھیلتا ہے۔ (۲۷) حدیث پڑھنے سے قبل اس کی عبارت خوب درست کرے۔
 بحمد اللہ مبادیات صحیح بخاری کی دو باتیں جو کہ متضمن تھیں کئی باتوں کو مکمل ہوئیں۔ حق تعالیٰ شانہ اس سعی کو قبول فرمائے اور اسے ہم سب کیلئے نافع بنائے اور اس میں ہونے والی تقصیرات سے درگزر فرمائے۔ (آمین)

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ لیلاۃ الخمیس میں مکمل ہوئی۔

ایک ضروری وضاحت

ماہنامہ الحقائق کے گزشتہ شمارہ ربیع الثانی کے ص ۳۹ پر پروفیسر ایم۔ اے۔ عثمانی صاحب کے مضمون میں سوئم کی فاتحہ اور چہلم کا ذکر سوانحی مضمون کے ضمن میں شائع ہو گیا ہے، بہت سے حضرات نے اس کی طرف توجہ دلائی ہم ان کے شکریہ کے ساتھ یہ وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ اس سے سوئم و چہلم کے جواز پر استدلال نہ کیا جائے، اس کو محض ایک حکایت واقعہ سمجھا جائے۔ (ادارہ)

”خاکوں“ کی خاک

یورپ کے اخبارات میں شائع ہونے والے گستاخانہ خاکے اہل کفر کی اسی پراگندہ فکر، غلاظت میں لتھڑی ہوئی سوچ اور پست ذہنیت کے غماز ہیں کہ جن عناصر سے اس بدنصیب قوم کا خمیر اٹھایا گیا۔ دراصل یہ ان کا وہی خبث باطن ہے جو انہیں و قفاؤ قفا اسلام دشمنی پر برا بیچنے کرتا اور بزم خویش پیغمبر اسلام ﷺ کی کردار کشی پر ابھارتا رہتا ہے، اور یہ اپنے باطن کی تمام تر خباثتیں و غلاظتیں یکجا کر کے اور اطراف عالم میں پھیلی ہوئی ہمہ انواع کی بد تہذیبی و ناشائستگی سمیٹ کر کبھی کسی قسمت کے مارے اخبار میں گستاخانہ خاکے شائع کرتے اور کبھی حقیقت کے برعکس کسی فلم میں اسلام کی روشن و آفاقی اور تمام شعبہ ہائے زندگی پر محیط تعلیمات کو دھندلانے اور کفر کے بد نما و بد شکل چہرے کو نمایاں و پرکشش دکھانے کی ناپاک جسارت کرتے رہتے ہیں۔ یہ کیسے سوختہ سماں و تیرہ بخت لوگ ہیں کہ اس ذات مقدس ﷺ کو نیچا دکھانے کی سعی میں ہیں جو مخلوق میں ہر صاحب رفعت سے زیادہ بلند، ہر عزت والے سے زیادہ باعزت اور ہر صاحب وقار سے بڑھ کر باوقار ہے، جس کی امت میں ہونے کے انبیاء سابقین علیہم السلام آرزو مند رہے، جس کیلئے بزم کون و مکاں آ راستہ کی گئی، خیر و شر کے پیمانے وضع کئے گئے، نیکی و بدی میں امتیاز بخشا گیا، مادیت و روحانیت کی تعریفات مقرر کی گئیں، بلندی و پستی کے اصل معیار بتلائے گئے، زندگی کو ایک مقصد عطا کیا گیا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جس کی شفاعت و رحمت کے بغیر فردوس میں داخلہ تو کجا جنت کی ہوا بھی میسر نہ آ سکے گی۔

مگر یہ تہذیب و اخلاق کے ادنیٰ قرینوں سے مابلداور بغض و عناد کی اتھاہ گہرائیوں میں بسنے والے ننگ انسانیت کیا جانیں کہ انسانیت کو ظلم و جہالت اور وحشت و بربریت کی پاتال سے نکال کر علم و عرفان اور شعور و آگہی کی معراج تک پہنچانے والی ہستی کن ارفع مقاصد و اجل تعلیمات کی پیامبر اور کن روشن راستوں کی راہنما تھی۔ اس تعفن زدہ قوم کو کیا معلوم کہ اپنے کردار و عمل اور قول و فعل سے شش جہات عالم میں خوشبوئیں بکھیرنے والی ذات کا دامن رحمت کن کن گلہائے رنگارنگ سے لبریز تھا۔ اس تعصب کے مارے قبیلے کو کیا خبر کہ ساری دنیا کو یگانگت و وحدانیت کا درس دینے، تفریق رنگ و نسل

مٹانے اور امتیاز عرب و عجم کی خلیج پائنے والے نبی آخر الزماں ﷺ کس بلند درجہ کے وسیع الظرف، کس پائے کے داعی اتحاد و اتفاق اور اپنی ذات میں کس قدر اپنائیت و انس رکھتے تھے۔ ان جہلائے مطلقہ کو کیا پتہ کہ تینیس سال کی مختصر مدت میں ہر طرح کے ماساعد حالات اور عالم اسباب میں کمپری کے باوجود تنہا محض اپنی پیغمبرانہ اولوالعزمی و استقامت کے بل بوتے پر چہار دانگ عالم میں انقلاب عظیم بپا کر دینے والی ہستی کن قائدانہ صلاحیتوں اور معجزانہ اداؤں کی حامل تھی۔ یہ ماقدر شناس نبوت و احسان فراموش رسالت گروہ کیا جانے کہ موجودات کا ذرہ ذرہ اپنی ساری زندگی ایسا رومروت اور غفو و درگزری کی نذر کر دینے والے محمد رسول اللہ ﷺ کے بے پایاں احسانات و لامتناہی انعامات کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ اتنی سی بات تو ہر ذی شعور شخص بلا امتیاز مسلم و غیر مسلم سمجھتا ہے کہ ان اوچھے ہتھکنڈوں، مکروہ اقدامات اور ناپاک و قابل نفرت جسارتوں کے ذریعے اس ذات بابرکات کی رفعت، عظمت، شان، مرتبہ اور وقار میں سرمو بھی کمی نہ آئے گی کہ جس کے ذکر خیر کی بلندی کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سب سے سچی کتاب قرآن کریم میں ان الفاظ کے ساتھ فرمایا اور فعندک ذکرک (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ (ﷺ) کیلئے آپ (ﷺ) کے ذکر کو بلند فرمادیا۔ ذرا آپ سوچئے! کیا چکا دڑوں کے ملامت کرنے سے سورج کا نور دھندلا جاتا ہے؟ کیا کتوں کے بھونکنے سے چاند کی چمک ماند پڑ جاتی ہے؟ کیا مشک و عنبر کی مہک کسی سند کی مرہون منت ہوتی ہے؟ کیا صبح خوش جمال کا سحر انگیز نظارہ کسی شب پرست مایینا کی مذمت سے سنو لا جاتا ہے؟ کیا نصف النہار پر چمکتا خورشید کسی دلیل کا محتاج ہوتا ہے؟ کیا حوض کے گدلے پانی کے مینڈک دریا کی روانی و گہرائی سے آشنا ہو سکتے ہیں؟ کیا کرگس و گدھ ایسے حقیر پرندے، پرندوں کے درویش شاہین کی راہ گزر کے شناسا ہو سکتے ہیں؟ کیا کسی بھنگی کی تنقید سے فرمانروائے سلطنت کی بادشاہت کا سورج افق مغرب سے جا لگتا ہے؟ کیا ہر سوکرنیں بکھیرتا سورج انگلی کی اوٹ میں چھپ سکتا ہے؟ کیا چاند پر تھوکنے والا اپنا ہی منہ بھرنے کے سوا اسے کچھ نقصان پہنچا سکتا ہے؟

اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو پھر یہود و نصاریٰ اور دیگر کفریہ طاقتوں کے ان مکروہ اقدامات کے پیچھے کیا سازش کا فرما ہے؟ کیا انہیں ہمارے ایمان و عشق رسول اللہ ﷺ کا امتحان مقصود ہے؟ کیا وہ ہمیں آزمانا چاہتے ہیں؟ کیا انہیں ہماری درخشاں تاریخ سے کچھ علاقتہ نہیں؟ کیا وہ ہمیشی اور رومی کی عزم و استقامت سے نا بلد ہیں؟ کیا وہ سمیہ و یاسر کی قربانیوں سے بے بہرہ ہیں؟ کیا ان کے سامنے تخت

قیصر و تاج کسریٰ کی تاراجی کی داستان نہیں؟ کیا وہ قلعہ خیبر کے لرزتے درود یوار بھول چکے ہیں؟ کیا وہ خالد و ضرار کی شجاعت سے نا آشنا ہیں؟ کیا انہیں دریاؤں میں گھوڑے دوڑانے اور صحراؤں میں سفینے چلانے والے یاد نہیں رہے؟ کیا انہیں آج بھی کشتیاں جلا دینے والے عظیم سپہ سالار طارق بن زیاد کے تاریخ ساز جملے فاہن المغفر؟ البحر ورائکم والعلو امامکم کی بازگشت سنائی نہیں دے رہی؟ کیا وہ ایوبی و ابن قاسم کی معرکہ آرائی سے واقف نہیں؟ وہ یقیناً یہ سب جانتے ہیں بلکہ اس سے بھی بہت کچھ زیادہ، لیکن انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اب مسلمانوں میں وہ پہلا سادہ دم خم نہیں رہا۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اب ہم اپنے اسلاف کی عزم و ہمت کے قصائد پڑھنے کے سوا اور کچھ نہیں کر رہے۔ وہ یہ بھی جان چکے ہیں کہ اب عملاً مسلمان اقبال کے اس شعر کی تصویر بن چکے ہیں۔

تھے تو آباء و تمہارے ہی، مگر تم کیا ہو؟ ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فر دا ہو
عالمی انسانی حقوق کے نام نہاد علمبرداروں سے تو خیر شکوہ ہی کیا؟ لیکن کیا اس فتنہ انگیز شرکی پشت پناہی کرنے والوں کو اس سارے معاملے میں ”او۔ آئی۔ سی“ کا شرمناک کردار دکھائی نہیں دے رہا؟ کیا انہیں نظر نہیں آ رہا کہ مسلم امہ کے حکمران تیل کا ہتھیرا استعمال کرنے اور یورپ کے بینکوں سے اپنے سرمایہ نکالنے کے بجائے غفلت و بے بسی کی تصویر بنے رہی سے احتجاج کے سوا کچھ بھی نہیں کر پا رہے؟ کیا انہیں بھجائی نہیں دے رہا کہ مسلمان عوام یورپین مصنوعات کے بائیکاٹ اور ان کی تہذیب و ثقافت کو خیر باد کہنے کی بجائے اپنی ہی املاک مند رآتش کر رہے اور اپنی ہی معیشت کو نقصان پہنچا رہے ہیں؟ یقیناً ہماری اور ہمارے حکمرانوں کی یہی معاملہ ناشناسی و بے تدبیری ان عالمی غنڈوں کو شہ دے رہی ہے اور وہ وقتاً فوقتاً اپنی جھوٹی اما کی تسکین اور اپنے حبث باطن کی طمانیت کیلئے ہمارے حساس جذبات مجروح کرتے رہتے ہیں۔ ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم بحیثیت افراد و بطور قوم اپنی پالیسیوں کا از سر نو جائزہ لیں اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے انہیں روبہ عمل لا کر اہل یورپ اور ان کے پشت پناہوں کو ان کے پراپیگنڈے کا موثر اور منہ توڑ جواب دیں تاکہ انہیں آئندہ ایسی منحوس جسارت ہمارے سوچنے کی بھی ہمت نہ ہو۔

ہم اس مؤقر جریدہ کی ان ٹیش قیمت سطور کی وساطت سے تمام مسلم حکمرانوں بالخصوص پاکستان کی دو تہائی اکثریت کی حامل نئی حکومت سے پر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ آزادی اظہار کی آڑ میں کفریہ

طاقتوں کی اس عالمی بد معاشی کے خلاف انٹرنیشنل لیول پر شدید ترین احتجاج ریکارڈ کرایا جائے۔ اس سازش میں ملوث تمام ممالک کے سفراء کو فی الفور مسلمان ملکوں سے ملک بدر کیا جائے اور حکومتی سطح پر بھی ان ممالک کی مصنوعات کی برآمدات پر پابندی عائد کرتے ہوئے ان کا معاشی بائیکاٹ کیا جائے۔ علاوہ ازیں تیل کی دولت کو بطور ہتھیار استعمال کرتے ہوئے یورپ کو اس کی ترسیل بند کی جائے اور مسلمان تاجروں کا یورپ کے بینکوں میں جمع شدہ سرمایہ (جسے وہ ہمارے ہی خلاف استعمال کر رہے ہیں) مسلم ممالک کے بینکوں میں منتقل کیا جائے تاکہ یورپ کی رواں دواں معیشت کا پیہہ الٹا گھومنے لگے اور مسلمان ممالک کی معیشت مضبوط بنیادوں پر استوار ہو سکے۔ علماء و خطباء کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے وعظوں کے ذریعے عوام الناس کو اس مکروہ سازش کے پس منظر و مقاصد سے آگاہ کریں اور مسلم امہ میں اس چیلنج سے صحیح طور پر نہر داڑھا ہونے کا شعور اجاگر کریں کہ مسلمانوں کی زندگی کا اصل مقصد ہی اپنے رسول ﷺ کی حرمت پر کٹ مرنا ہے۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ میسراب کی حرمت پر خدا شاہد ہے کامل میرا یاں ہوں نہیں سکتا
آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والدین، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں“۔ اگر ہم اپنے نبی کریم ﷺ کی (نعمو باللہ) گستاخی پر بھی ہوش میں نہ آئے تو پھر عمر ہماری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔

چمکا ڈڑوں کی ٹوک سے سورج کو کیا ضرر
اندھا ہزار کہتا رہے دن کو ”رات ہے“
خوشبوئے مشک خود ہے سدا اپنے مشک کی
حوضوں کے مینڈکوں کا ہے دریا سے ربط کیا
تنقید بادشاہ پہ بھنگی کرے تو کیا
ناپاک سوچ کو کہاں پاکیزگی سے شغل
نیچا دکھا سکیں گے نہ رب کے حبیب کو
ان کا وقار بڑھتا رہے گا یونہی فہیم

کتوں کے بھونکنے سے بچھا ہے کبھی قمر؟
کیا مان لے گا اس کی جو ہے صاحب نظر
خورشید خود دلیل ہے اپنی اے بے خبر!
کر گس کے علم میں کہاں شاہیں کی رہگذر
خود اپنے منہ پہ آتا ہے تھو کے جو چاند پر
گلقتند کے مزے کی گدھے کو ہے کیا خبر؟
دنیا کے سب خبیث بھی یکجان ہوں اگر
”خاکوں“ کی خاک اڑتی رہے گی نگر نگر

امداد المسائل فی الاحکام والمسائل فقہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور رندی قدس سرہ

الاستفتاء

تبلیغی جماعت کی شرعی حیثیت

سوال موجودہ طرز کی تبلیغی صورت کے متعلق تھا، اس میں یہ بھی تھا کہ تبلیغی سفر میں تبلیغ والے بیت اللہ سے بھی زیادہ اجر بتلاتے ہیں، کیا یہ اجر طلب علم وغیرہ میں بھی ہے یا صرف اس طرز کی تبلیغ میں ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

موجودہ طرز پر تبلیغ عوام کے لئے مفید اور نافع ہے، مگر اس میں غلو اور تشدد کسی طرح مناسب نہیں، تبلیغ ایک اس مروجہ صورت میں منحصر نہیں ہے جس طرح بھی ہو تبلیغ مقصود ہے، اور اس کا یہی موجودہ طرز خاص مقصود نہیں۔ اگر کسی کو تجربہ سے اس وقت یہ طرز خاص نافع معلوم ہو اور اس پر عمل کرے تو کچھ حرج نہیں، کیونکہ جو اصل تبلیغ ضروری ہے یہ طرز خاص بھی اسی کی ایک جزئی اور اس کا ایک فرد ہے اور اگر کسی دوسرے طریق پر اصلاح عوام میں مشغول ہو تو بھی تبلیغ کا مقصد پورا ہو جاتا ہے، کسی طرح اس پر ملامت و طعن مناسب نہیں۔ تبلیغ کو اسی ایک طرز خاص میں منحصر سمجھ لینا غلط اور حد سے تجاوز ہے جو کہ قابل اصلاح ہے، زمانہ کے حالات کے مطابق اگر کسی بزرگ نے تبلیغ کے مفہوم کلی کے ادا کرنے کی ایک خاص صورت تجویز فرمائی ہو جو کہ فی حد ذاتہ مستحسن ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تبلیغ کے دوسرے طریقے جو اس خاص طریقہ سے پہلے مروج تھے سب ناجائز ہو گئے اور ان دوسرے طریقوں سے تبلیغ کرنا ادائے فرض تبلیغ کے لئے کافی ہو گیا۔ بلکہ جس صورت سے بھی احکام پہنچا دیئے جائیں فریضہ تبلیغ ادا ہو جائے گا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سفر تبلیغ بھی فرماتے تھے، قبائل میں تبلیغ کے لئے اور تو مسلموں کو احکام اسلام کی تعلیم کے لئے حضور ﷺ صحابہ کرام کی جماعتوں کو بھیجتے تھے، پر معونہ کا واقعہ جس میں (۷۰) ستر صحابہ شہید ہوئے وہ تبلیغ کے لئے ہی روانہ فرمائے گئے تھے، مگر بہت صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم اجمعین مسجد نبوی میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور جو وہاں آتا تھا ان کو تعلیم دیتے تھے۔ تو دونوں کام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے منقول ہیں، مساجد میں حلقہ درس کا قیام عہد نبوی ﷺ اور بعد میں بھی جاری تھا۔ اور تبلیغ کی یہ بھی ایک بہترین صورت تھی جس کی ترقی یافتہ شکل اس وقت مدارس دینیہ ہیں۔

غرضیکہ خطاب خاص کے ذریعہ تعلیم احکام اور تبلیغ کا رواج بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد و زمانہ میں جاری تھا۔ اور عام خطاب کے ذریعہ بھی جس کو وعظ کہتے ہیں، تبلیغ ہوتی تھی۔ حضر اور سفر میں تبلیغ ہوتی رہتی تھی، نہ تو عام طور سے تبلیغ کرنے والے خاص خطاب سے تبلیغ کرنے والوں پر طعن کرتے تھے، نہ بالعکس، ہر شخص اپنا اپنا کام کر رہا تھا۔

اب یہ بات اس زمانہ میں عام ہو گئی ہے کہ ہر شخص جس طرز کو اختیار کرتا ہے اس طرز پر سب کو جمع کرنا چاہتا ہے۔ اور حق کو اسی ایک طریق میں منحصر کر دیتا ہے، یہ غلو اور زیادت فی الدین ہے، یہ تو اس وقت ہے جبکہ موجود طرز سے کسی واجب شرعی کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو اور اگر اس قسم کے سفر سے کسی واجب شرعی کے ضیاع کا خوف ہو تو پھر اس سے اجتناب ضروری ہے، جیسا کہ ایسی حالت میں علم دین کی طلب کے لئے بھی سفر کی اجازت نہیں دی گئی، واللہ اعلم۔

باقی کسی خاص عمل میں خاص وجہ سے فضیلت کا آجانا ممکن ہے، اس کو فضیلت جزئی کہتے ہیں۔ جب تبلیغ کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں تو اگر یہ اجترائے بات ہو تو سب صورتوں کے لئے ہوگا میرے خیال میں یہ عرض سب سوالوں کے جواب کے لئے کافی ہوگی، اگر کوئی بات قابل جواب رہ گئی ہو پھر پوچھ لیں۔ اور دوسرے محققین زمانہ سے بھی استفسار کر لیں، مثلاً مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ وغیرہ۔

فقط

۲۳ محرم الحرام ۱۴۸۵ھ

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

تعارف و تبصرہ

نام کتاب: تذکرہ حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ مؤلف: فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ
ناشر: المکتبۃ الاسلامیہ جامعہ اشرفیہ مسلم ناؤن فیروزپور روڈ لاہور صفحات: ۴۶۱
بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد عاشق ثابت ست بر جہ پدۂ عالم دوام ما
بعز (الحمد للہ) ماظرین باہمین کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس وقت جو کتاب آپ
کے ہاتھوں میں ہے وہ ایک ایسی عظیم ہستی ایسی عبقری شخصیت کا مبارک اور خوشگوار تذکرہ ہے جو شریعت
و طریقت کی امام بھی اور منقول و معقول کی جامع بھی آپ کی ذات گرامی کو حق تعالیٰ نے علم و عمل نیز
ظاہری و باطنی محاسن کا مرکز بنایا تھا۔

آپ اگر ایک طرف جید عالم دین شیخ الحدیث مسند درس کے صدر نشین تھے تو دوسری طرف
شریعت و طریقت کے جامع بے مثال مربی شیخ وقت ہونے کے ساتھ ملک و ملت کے عظیم رہنما اور
سیاسی زعماء کے رئیس اور قائد بھی تھے۔

بلاشبہ ایسی جامع اور باکمال ہستیاں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں کہ جنہیں تمام علوم و فنون
اور ملکی و ملی اور سیاسی میدان میں امامت کا درجہ حاصل ہو کسی نے سچ کہا ہے۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد
ایسی مادرہ روزگار جامع کمالات ہستیاں ”آفتاب آمد دلیل آفتاب“ کا مصداق ہیں اور ان
کی تحسین تعریف و توصیف۔

مادح خورشید مادح خود است

کے زمرہ میں آتی ہے۔ لیکن ہمیشہ سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ حسین صادقین اور لائق تلامذہ مخلص
احباب اور خدام اپنے محبوب شیخ اور استاذ محترم اور روحانی والد مربی اور شیخ طریقت کے احوال و معارف
نیز ان کے علمی کمالات مآثر کا تذکرہ کر کے جہاں خود اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں وہیں دوسروں

کو بھی شاد کام اور محفوظ کرتے ہیں۔

ولقد صدق العارف الرومی حیث قال۔

یا دیاراں یا ررامیموں بود خاصکآن مجنوں وایں لیلی بود

وقال علیه الصلوة والسلام: المرأ مع من أحب ومن أحب شيئا أكثر ذكره۔

آپ کی ذات گرامی کے بارے میں بھی یہی ہوا کہ بہت سے اہل علم و قلم نے مضامین مقالات اور تذکرے مرتب کئے اور آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی مگر بمصداق ۔

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکره

هو المسك ما كررتہ يتضوع

آپ کے مبارک حالات علمی و قومی خدمات پر مشتمل مقالات و مضامین کا سلسلہ جاری ہے اور حسب تقاضائے زمان جاری رہے گا پھر ظاہر ہے کہ لکھنے والوں نے بسبب کل اناء یترشیح بما فیہ آپ کی شخصیت کے اسی پہلو کو اجاگر کرنے پر زور دیا ہے جو ان کی نظر میں زیادہ تر قابل ذکر تھا، ایسی جامع کمالات شخصیات کے تذکروں میں ایسا ہونا ایک فطری امر ہے یہ کوئی باعث تعجب اور قابل اعتراض بات نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا اپنا اپنا ذوق ہے اور ذوق کا اختلاف کوئی بری چیز نہیں، ذوق نے کیا خوب کہا ہے۔

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینت چمن

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

اگرچہ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ اس طرز عمل سے بعض اوقات صاحب تذکرہ کے اصل کمالات یا اس کی زندگی کا مرکزی نقطہ نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور یہ چیز حقیقت بین نگاہوں پر گراں اور حقیقی اوصاف و کمالات کے خواہاں افراد کیلئے ہمیشہ باعث تشویش رہتی ہے، حضرت اقدس شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے متعلق لکھے جانے والے اکثر مضامین و مقالات کتابیں اور تذکرے چند ایک کے سوا زیادہ تر اسی نوع پر مشتمل ہیں، اس لئے وقت کی انتہائی ضرورت تھی کہ آپ کی حیات طیبہ کے متعلق ایسا جامع تذکرہ مرتب کیا جائے جس میں آپ کے سوانحی خاکہ کے ساتھ تذکرہ کے مرکزی نقطہ علمی روحانی کمالات (جو آپ کے تذکرے کی اصل روح ہے) کو اجاگر کیا

جائے اور ساتھ ہی آپ کے سیاسی مقام اور علماء عصر سے اختلاف کو بھی نہایت اعتدال کے ساتھ بیان کیا جائے۔ آج کل چونکہ اس سلسلہ میں افراط و تفریط کچھ زیادہ ہی دیکھنے میں آ رہا ہے جس کا دائرہ عوام سے بڑھ کر خواص تک پہنچ رہا ہے جو کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے، شاید اس کی ایک وجہ اختلافی امور میں راہ اعتدال کا فقدان اور اصل کمالات علمیہ و عملیہ سے انماض بھی ہے، اس لئے آں حضرت موصوف قدس سرہ کے متعلق ایسے جامع تذکرہ کی ضرورت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے، چنانچہ والد گرامی حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہم تلمیذ رشید حضرت اقدس مدنی نے اپنے استاذ محترم قدس سرہ سے محبت و عقیدت کی بنا پر اس نازک موضوع پر قلم اٹھایا اور وقت کی اس ضرورت کو کا حق ادا کر دیا جزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء، والحمد للہ علیٰ ذلک حمداً کثیراً۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت والد صاحب مدظلہم خود بھی ایک جامع شخصیت کے مالک ہیں آپ بیک وقت جید عالم دین، مفسر، محدث، فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ شریعت و طریقت کے جامع ہیں اور ملکی و سیاسی معاملات میں بھی ایک خاص بصیرت رکھتے ہیں پھر حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے مسترشد اور شیخ الحدیث علامہ ظفر احمد عثمانی اور حضرت مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہما کے خلیفہ ارشد ہونے کے ساتھ شیخ العرب والعجم حضرت مدنی کے تلمیذ رشید بھی ہیں، دارالعلوم دیوبند میں زمانہ طالب علمی دو سال آپ سے خوب استفادہ بھی کرتے رہے اس طرح آپ سلسلہ اشرفیہ اور حسینیہ مدنیہ کیلئے ایک جامع شخصیت ہیں، ایسے جامع تذکرہ کیلئے ایسی ہی جامع شخصیت کی ضرورت تھی حضرت کا اس عنوان پر قلم اٹھانا کوہِ ”حق بحق دارر سید“ کا مصداق ہے آپ کے قلم سے اس کتاب کا لکھا جانا افراط و تفریط کے اس دور میں بلاشبہ مسلک اعتدال کی عملی مثال ہے، وفی ذلک فایتنا فس المتنافسون۔ حضرت والد صاحب مدظلہم نے اکابر کے اختلافی مسائل کو جس معتدل انداز سے بیان کیا ہے اس سے تھانوی مدنی کے عنوان سے بلا جواز پیدا کی جانے والی تفریق نہ کہ تقسیم کی حقیقت بھی سامنے آ جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت اقدس مدنی قدس سرہ کے علمی روحانی کمالات اور بلند پایہ سیاسی مقام سے متعلق ایسے تذکرہ کی انتہائی ضرورت تھی جس میں اعتدال کے ساتھ ان امور پر روشنی ڈالی جائے، محمد

اللہ تعالیٰ یہ ضرورت اس تذکرے سے بخوبی پوری ہو رہی ہے۔ ضمناً و تبعاً من قبیل الشیء بالشیء
یذکر حضرت مدنی کے علاوہ دیگر اکابر کے پاکیزہ احوال اور مرکز رشد و ہدایت دارالعلوم دیوبند کی مختصر
تاریخ اکابر کی جامع سوانح نے نور علی نور کا سما پیدا کر دیا ہے۔ امید ہے کہ انصاف پسند طبائع کیلئے یہ
تذکرہ باعث مسرت ہوگا اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازیں اور اس کے نفع کو عام و نام فرمادیں۔ آمین
اظہار تشکر و دعا

ما سپاسی ہوگی اگر حضرت اقدس والد گرامی دامت برکاتہم و تہمتہم فیوضہم کا شکر یہ ادا نہ کیا
جائے جنہوں نے پیرانہ سالی، مسلسل امراض، ہجوم افکار کے باوجود یہ عظیم تفصیلی تاریخی اور جامع تذکرہ
تحریر فرمایا، دیگر حضرات کے ساتھ احقر نے بھی حضرت مدظلہم سے اس کی درخواست کی تھی اس لئے
احقر دل سے شکر گزار ہے جزا ہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء و اطال اللہ بقائه علینا و نفعنا
بعلومہ و متعنا بغیوضاتہ و برکاتہ آمین۔

احقر سلطان القلم پیر طریقت حضرت سید نفیس شاہ صاحب مدظلہم جانشین حضرت مولانا
عبد القادر رائے پوری قدس سرہ کا بھی شکر گزار ہے جنہوں نے سرورق کیلئے وقت عنایت فرمایا۔
برادر مکرم صاحبزادہ جناب مولانا ارشد عبید صاحب زید مجدہم خلف الرشید حضرت مولانا عبید اللہ
صاحب مدظلہم ناظم جامعہ اشرفیہ لاہور کا بھی احقر ممنون ہے جنہوں نے نہایت اصرار سے بعد خوشی اس
تذکرہ کو شائع کیا۔

عزیزم مولوی محمد صدیق سلمہ اللہ تعالیٰ مدرس جامعہ حقانیہ ساہیوال (سرگودھا) نے نہایت
محنت و جدوجہد سے اس کی کتابت و تصحیح کا کام بڑی رغبت و خوشی سے سعادت سمجھ کر کیا۔ حق تعالیٰ دارین
میں ان کیلئے اس کو باعث فوز و فلاح بنائے، آمین۔ اور دیگر تمام معاونین کیلئے بھی بندہ دل سے دعا کو
ہے اور سب سے اپنے لئے فلاح دارین کی دعا کا خواستگار ہے۔ فقط الداعی والمستدعی

احقر سید عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ

اخبار الجامعہ

۲۵ صفر المظفر: جامعہ میں تقریب تکمیل حفظ قرآن کریم کا انعقاد ہوا جس میں صدر جامعہ نے خطاب فرمایا اور مدارس میں قرآن کریم کی تعلیم و تدریس کی اہمیت اجاگر فرماتے ہوئے تلاوت قرآن کی ترغیب دی۔

۲۶ صفر المظفر: صدر جامعہ نے جامعہ فتنیہ امدادیہ سلا نوالی میں ماہانہ درس قرآن کریم دیا۔
۴ ربیع الاول: صدر جامعہ نے جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کے طلباء میں اصلاحی بیان فرمایا، اس کے علاوہ ایک مسجد میں بھی درس دیا۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی اور حضرت مولانا عبدالحی رحمہما اللہ تعالیٰ کے مزارات پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھی۔

۵ ربیع الاول: صدر جامعہ نے ظریف شہید شجاع آباد میں بیان فرمایا اور خطبہ جمعہ دیا۔ واپسی پر دارالعلوم عید گاہ کبیر والا میں مفصل بیان فرمایا۔

۶ ربیع الاول: صدر جامعہ کا فجر کے بعد کبیر والا میں مولانا حفیظ اللہ صاحب کی مسجد میں درس ہوا۔ خانوال میں بزم اشرف کے ایک روشن چراغ مولانا عبدالحجید پچھرا پوتی قدس سرہ کے مزار پر ایصال ثواب کیا۔

۹ ربیع الاول: جامعہ میں حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب مدظلہم شیخ الحدیث و مہتمم دارالعلوم عید گاہ کبیر والا کا بصیرت افروز بیان ہوا، جس میں حضرت نے غیبت و تجسس کی شناعیت اور وساوس کی حقیقت ارشاد فرماتے ہوئے ان کا شافی علاج بیان فرمایا۔

۱۴ ربیع الاول: صدر جامعہ نے گنجیال، مدرسہ اسلامیہ امدادیہ جوہر آباد اور مدرسہ تعلیم القرآن حقانیہ روڈ و سلطان میں اصلاحی بیانات فرمائے۔

۱۶ ربیع الاول: جامعہ میں محترم جناب حضرت شبیر احمد کا کاخیل صاحب کا فلکیات کے موضوع پر بیان ہوا۔ صدر جامعہ نے مدینۃ العلوم سرگودھا میں دارالقرآن کاسنگ بنیا درکھا اور دعا کرائی۔
۲۵ ربیع الاول: صدر جامعہ نے دارالعلوم فتنیہ احمد پور شرقیہ میں طلباء سے خطاب فرمایا۔

۲۶ ربیع الاول: صدر جامعہ مدرسہ انوریہ حبیب آباد طاہر والی تشریف لے گئے اور علماء کرام سے ملاقات کی۔ چنی کوٹھ اور رحیم یار خان میں اصلاحی بیانات فرمائے۔

۲۹ ربیع الاول: جامعہ کی شاخ جامع مسجد زینب میں جلسہ سیرت النبی ﷺ سے حضرت علامہ عبد الحمید صاحب تونسوی مدظلہم اور صدر جامعہ نے خطاب فرمایا۔

کوہ طور

ہر چند جلوہ گاہِ رخِ کبریا ہے یہ
موسیٰ کے ذوقِ دید کا بھی

منتہا ہے یہ
ناز و ادائے حسن کی اک یادگار ہے
راز و نیازِ عشق کا اک سلسلہ

ہے یہ
دم توڑتی امنگ کو پیغامِ زیست ہے
بجھتے ہوئے دلوں کیلئے

آسرا ہے یہ
مشتاقِ دید کیلئے اک سنگِ میل ہے
نا آشنائے رہ کیلئے رہنما ہے

یہ
لاریب اس کے ڈرے ستاروں کا شک ہیں
رفعت میں آسماں سے بھی کچھ

ماورا ہے یہ
ایثار کا سبق ہے محبت کے باب میں
سچ ہے کہوں جو اس کو شہیدِ وفا ہے

یہ
اہلِ دل و نظر میں ہے اب تک بھی سر بلند

آخر کو حسن و عشق کا محل

رہا ہے یہ
تشبیہ سے بلند ہے تمثیل سے ورا
جو کچھ کہا ہے اس سے بہت کچھ

سوا ہے یہ تیکن فہیم! آج ہر اک فرد کیلئے
ہر سمت سراٹھاتی ”نوائے

خدا“ ہے یہ
اب روشنی ملے گی نہ کچھ ”کوہ طور“ سے
دنیا اجال! اسم محمد کے
نور سے